1992

تعلیمی مجلّہ

طلائع

۱۲

ترتیب و تدوین

محمد مسلم، ماہر مضمون

چیف ایڈیٹر

عبدالطیف میر، چیف انسٹرکٹر

ایجوکیشن ایکٹشن سنٹر، ایبٹ آباد

ناشر

ادارہ ترقی نصاب و توسیع تعلیم

صوبہ سرحد، ایبٹ آباد

تصحیح نامہ

(حصہ اردو)					حصہ انگریزی				
نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط لفظ	درست لفظ	نمبر شمار	صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط لفظ	درست لفظ
۱	۳	۶	Instrnment	Instrvment	۱	ٹائیٹل	—	Actention	Extension
۲	۵	۱۳	Objective (معروضی)	Essay موضوعی	۲	۱	۳	Actention	Extension
۳	۵	۱۴	Subjectivity	Subjetivity	۳	۲	۳	Backgraound	Background
۴	۷	۳	Multipul	Multiple	۴	۳	۳	Techiniques	Techniques
۵	۷	۴	Multipul	Multiple	۵	۳	پیرا ۲۰۱ سطر ۳	Insititution	Institution
۶	۸	۱۴	Capaisty	Capacity	۶	۴	پیرا ۲۰۱ سطر ۸	Suprising	Surprising
۷	۲۸		باہر معنون	ماہر معنون	۷	۴	پیرا ۲۰۱ سطر ۶	Insititution	Institution
۸	۴۱	ہیڈنگ عنوان	تعلیم تربیت	تعلیم و تربیت	۸	۱۰	پیرا ۲۰۱ سطر ۸	Buireau	Bureau
۹	۶۵	شعر	قبالؒ	اقبالؒ	۹	۱۱	پیرا ۲۰۱ سطر ۲	Cuying	Crying
۱۰	″	شعر نمبر ۲	نگہ	نگاہ	۱۰	۱۱	پیرا ۲۰۱ سطر ۶	Kilimeters	Kilometers
۱۱	۶۹	۱	انسٹرکٹر	انسٹرکٹرز	۱۱	۱۷	پیرا ۲۰۲	Staudents	Students
۱۲	″	″	جن میں خواتیں	جن میں تین خواتین	۱۲	۲۱	پیرا ۸۰۲	Befor	Before
۱۳	″	۲	انسٹرکٹر	انسٹرکٹرز	۱۳	۲۴	سطر ۳	Libraries	Libraries
۱۴	″	۲	تربیت یافتہ ہے	تربیت یافتہ لائبریرین ہے	۱۴	۲۷	جزو (C)	Engourage	Encourage
۱۵	″	۲	پروجیکشنٹ ایک	پروجیکشنٹ اور ایک	۱۵	۲۷	پیرا ۲۰۱ سطر ۴	Invironment	Enviroument
۱۶	۷۳	پیرا ۵ سطر ۲	۱۶۸ کروڑ (168 کروڑ)	۱۶ کروڑ (16 کروڑ)	۱۶	۲۸	۲ ″	Princepal	Principal
					۱۷	۲۹	۱ ″	duation/devided	Duration/divided

مِس راحت افزا بھٹی

ناظم ادارہ

توسیع و ترقی تعلیم صوبہ سرحد ایبٹ آباد

طلوع علم

ارشاد ربانی ہے۔

هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون ○

ترجمہ۔ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

رب کائنات نے مخلوقات عالم سے پوچھا۔ کائنات نے ثابت کر کے دکھایا۔ کہ عالم اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ یعنی کہ جس طرح عرش اور فرش برابر نہیں۔ اسی طرح علم کے مالک اور ناخواندہ ایک جیسے نہیں۔ علم ایک ایسا ہی مینار نور ہے۔ جس کی بدولت ایک جاہل آدمی عالم بن کر دنیا میں امامت اور عدالت کے فرائض انجام دیتا ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا' شجاعت کا' عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل زمانہ جاہلیت کا دور تھا۔ بربریت اور وحشت اسی قوم کا طرہ امتیاز رہا۔ لیکن جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انہوں نے علم کی روشنی حاصل کی اور علم کی بدولت وہ دنیا کے مہذب ترین قوم بن کر نمونہ انسانیت اور سیفران تبلیغ بن گئے اور بلند کردار و اخلاق سے دنیا کی تاریخ کا نمونہ تبدیل کر کے تا روز قیامت زندہ جاوید مثال وراثت میں دنیا کو دی ہے اور علم کی بدولت آپس میں لڑائی میں برباد ہونے کی بجائے ان کی تلواریں قیصرو کسریٰ کے کندھوں پر رہیں۔ یہ سارا کرشمہ علم کے نور کا تھا۔ علم نہ تھا۔ عرب کو تاریخ نے جاہل اور بدو کا نام دیا اور ان کا شیرازہ قوت بکھر چکا تھا مجسم قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ے رشدو ہدایت سے فیض یاب کر کے عرب کو اخلاق' امانت' دیانت' صداقت' شجاعت اور امامت کے امین بنایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اسلام سراسر دین علم ہے ۔ اور اس میں تعلیم و تعلم کو باقاعدہ دینی حیثیت حاصل ہے ۔ دراصل اسلام نام ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقابلے میں اپنی مرضی اپنی خواہشات اور اپنی پسند و ناپسند سے دستبردار ہونے کا ۔ اس رویئے کے لئے اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کا شعور شرط اول کی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور یہ علم کے بغیر ناممکن ہے ۔ ہر قوم اپنی تہذیبی اقدار کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظام تعلیم کی تشکیل کرتی ہے ۔ اور اچھی تدریس کا بنیادی مقصد موثر اور دیرپا تعلیم کا فروغ ہے ۔

تمام ترقی یافتہ اقوام اور معاشرے اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ ان کے ہاں ترقی کی اصل وجہ ان کے مروجہ نظام ہائے تعلیم ہیں ۔ جن کو موثر ' مفید اور کار آمد بنانے کے لئے شب و روز محنت کی ضرورت ہے اس مقصد کی تکمیل کے لئے مختلف ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں ۔ جن میں سے ایک تعلیمی مجلّہ کی اشاعت بھی ہے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تعلیمی مجلّہ کی سالانہ اشاعت ادارہ ترقی نصاب و توسیع تعلیم صوبہ سرحد کی سرگرمیوں میں ایک اہم مقام رکھتا ہے ۔ یہ اس سلسلے کا چوتھا شمارہ ہے ۔ اس مجلّے کے ذریعے تعلیم سے وابستہ حضرات کو اپنے تجربات و خیالات اپنے ہم کار افراد اور زیر تربیت افراد اور عوام الناس کو پہنچانے کا ایک سنہری موقع فراہم کیا گیا ہے اس کاوش کو ماضی میں ہر سطح پر سراہا گیا ہے ۔ امید ہے موجودہ شمارہ بھی اہل ذوق حضرات کے لئے باعث تسکین ثابت ہو گا ۔

یہ مجلّہ اردو انگریزی مضامین پر مشتمل ہے ۔ حصہ اول میں مضامین اردو زبان میں دیئے گئے ہیں ۔ اور دوسرا حصہ انگریزی زبان پر مشتمل ہے ۔ مضامین کا معیار اس سطح پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ زیر تربیت اور تربیت یافتہ معلمین اس سے کماحقہ استفادہ حاصل کر سکیں ۔

اس مجلّہ کے ذریعے ایک طرف تو نئے اور پرانے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے دوسری طرف تعلیم کے میدان میں ہونے والی کچھ تبدیلیوں سے آگاہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ انسانی کاوش میں اکثر اصلاح کی گنجائش رہتی ہے ۔ اس لئے اس مجلّہ کو مزید موثر اور مفید بنانے کے لئے تجاویز کا شکریئے کیساتھ خیر مقدم کیا جائے گا۔

محمد مسلم ۔ ماہر مضمون

جائزہ و امتحان کی اہمیت و طریقہ کار

تحریر: آر اے بھٹی

ناظم ادارہ ترقی و توسیع تعلیم

این ۔ ڈبلیو ۔ ایف ۔ پی

ایبٹ آباد

زندگی بذات خود ایک امتحان ہے کیونکہ انسان کو ایک مقصد کے تحت کچھ کرنے اور سیکھنے کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ جو کچھ اس کو سکھایا گیا یا سیکھنے کو دیا گیا جن آزمائشوں میں اس کو ڈالا گیا کیا وہ ان پر پورا اترا اور کتنی تیزی یا سستی سے سیکھنے کا عمل جاری رہا۔

پیدا ہونے کے ساتھ ہی سیکھنے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کا جائزہ بھی۔ لہٰذا محاسبہ اور امتحان زندگی کے ہر شعبہ کے لازمی جزو ہیں۔ تعلیم کے میدان میں بھی امتحانات نمایاں اور اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر تعلیمی ادارہ طلباء یا طالبات کو کچھ علم بہم پہنچاتا ہے اور ان کی عادات و

اعمال میں مخصوص تبدیلی لانا چاہتا ہے یہ تبدیلی واضح اور فوری نہیں ہوتی۔ مختلف طلباء میں اس تبدیلی کے لئے مختلف مدارج کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ امتحانات ان تمام صلاحیتوں اور فہم و ادراک کے ناپنے اور تجزیہ کرنے کا بنیادی اوزار ہے۔ اس کے علاوہ یہ استاد کے لئے Indicator کا کام دیتا ہے یعنی استاد کو اپنے مقاصد کو حاصل کرنے اور بچوں کی صلاحیتوں کو بہتر طریقے پر بروئے کار لانے کے لئے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

امتحان کی مدد سے ہم طلباء میں درجہ بندی کر سکتے ہیں مثلاً کون سے بچے عملی کام کو جلدی کر سکتے ہیں۔ کون سے بچوں میں ذہنی مشقیں جلد ذہن نشین کرنے کی صلاحیت ہے کون ست رفتار ہے اور کون تیز گام۔ یہ نہ صرف بچوں کی موجودہ صلاحیتوں کا جائزہ لینے میں مدد دیتے ہیں بلکہ ان میں مخفی مختلف النوع صلاحیتوں کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ بچوں میں آگے بڑھنے اور سبقت لے جانے کا مادہ پیدا کرتے ہیں اور بچوں میں صحت مندانہ مقابلوں کی جبلت کو ابھارتے ہیں۔

سزا اور جزاء کا خوف ہمیشہ انسان کو غلط چیز سے بچنے اور سیدھی راہ پر لگانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ امتحان کا خوف بچوں کو علم سیکھنے اور غلط چیزوں سے بچنے کی طرف راغب کرتا ہے۔

امتحانات کسی ادارے کے پڑھنے اور پڑھانے کے عمل کا آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے ہم اس ادارے اور اس کے افراد کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں۔ والدین بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ بچے کو سکول بھیج کر جو قربانی وہ دے رہے ہیں اس کا حاصل کیا ہے۔ امتحانات نصاب کا جائزہ لینے میں مدد دیتے ہیں۔ ان تمام مقاصد سے آپ کو اندازہ ہوا ہو گا کہ امتحان تعلیم کا لازمی جزو ہیں کیونکہ اسی سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم سیکھنے کے کتنے مدارج طے کر چکے ہیں اور منزل تک پہنچنے کے لئے کتنے مراحل باقی ہیں۔

اتنے بہت سے فوائد کے باوجود کہا جاتا ہے کہ امتحانات نقصان دہ بھی ہیں۔ یعنی یہ بچوں کی قابلیت کا جائزہ لینے کی بجائے اس میں رٹنے کی عادت کو نشو و نما دیتا ہے۔ بچے کی قابلیت اور صلاحیت کی صحیح عکاسی نہ کر کے اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ بچوں کا منتہائے مقصد علم حاصل کرنے کی بجائے امتحان پاس کرنا رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی عادات و خصائل میں کوئی خوشگوار تبدیلی نہیں لاتے۔ جو کچھ ان کو پڑھایا جاتا ہے اسے صرف امتحانوں تک محدود کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ امتحانات نہیں ہیں بلکہ وہ قوانین یا Instrnment ہیں جن کی مدد سے امتحان لیا جاتا ہے یعنی پرچے' سوالات کی اقسام اور جانچ کا طریقہ کار جو ان چیزوں یا صلاحیتوں کو نہیں جانچتے جو ہمیں مقصود ہوتی ہیں بلکہ کچھ اور نقشہ پیش کر کے بچے کی کارکردگی اور استاد کے طریقہ کار کا غلط تاثر دیتے ہیں۔ بیرونی ممالک میں Standardized Test بنائے جا چکے ہیں جو کہ طلباء کی ذہنی صلاحیت قابلیت' رجحان یا خصوصی رجحان کو جانچنے کیلئے استعمال میں لائے جاتے ہیں ان کے علاوہ Achievement Test مختلف مضامین یا مواد کی جانچ کیلئے بھی دیئے جاتے ہیں مگر ہمارے ملک میں ایسے ٹسٹ نہیں ہیں اگر میں بھی تو محدود بے چند لہٰذا ہمیں اپنے امتحانات یا ٹسٹوں کو مدنظر رکھ کر اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہم کس طرح غلط جانچ کو کم سے کم تر کر سکتے ہیں اور اس کی وجوہات کیا ہیں۔

(1) - سوالات اور جانچ "Marking" کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے اگر پرچہ بناتے وقت امتحانات کے مقاصد یعنی Objectives واضح نہ ہوں یا سامنے نہ رکھے جائیں تو ذہانت قابلیت یا ٹسٹ کے صحیح نتائج سامنے نہیں آ سکتے۔ مثلاً آپ نرسری کے بچے سے گنتی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کہاں تک عدد صحیح گن سکتا ہے اور آپ اسے بلاک دے کر کہیں کہ یہ ایک دوسرے کے اوپر رکھیں اور بتائیں کہ کتنے ہوئے اس وقت چونکہ بچے کو Psycho Motor Abilitis یعنی Muscular کنٹرول زیادہ نہیں

ہوتا اس لئے اس کی توجہ بلاک کو ایک دوسرے پر رکھنے کی طرف زیادہ مبذول ہو جائے گی اور آپ اس کے گننے کی صلاحیت کا صحیح جائزہ نہیں لے سکیں گے۔ لہٰذا پرچہ بنانے سے پیشتر امتحان کے مقاصد واضح ہونے چاہیں کیونکہ مقاصد کئی ایک ہو سکتے ہیں مثلاً

1 - یادداشت کا جائزہ

2 - قابلیت یا Ability of understanding کا جائزہ لینا

3 - قوت بیانیہ Power of Expression

4 - واقفیت عامہ General Knowledge

5 - عملی کام کا جائزہ - وغیرہ مقصود ہے۔

(2) - ٹسٹ کا معیار Level of Test_ اگر ٹسٹ کا معیار بچوں کی ذہنی صلاحیتوں سے بلند یا کم تر ہو گا تو بھی نتائج خاطر خواہ نہیں ہونگے کیونکہ وہ صحیح صلاحیتوں کا عکس نہیں ہونگے۔

(3) - پرچے میں آسان' مشکل اور مشکل ترین تینوں قسم کے سوالات دیں تاکہ آپ مختلف عقلی مدارج کے بچوں کو الگ کر سکیں۔

پرچے میں سوالات کی قسمیں

Essay Type - 1 (موضوعی)

Objctive Type - 2 (معروضی)

موضوعی (Essay Type) امتحانات میں سوالات بنانے اور ان کو نمبر دینے دونوں صورتوں میں غلطی کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں لیکن ان کے قواعد بھی خاصے ہیں۔ خصوصاً زبان دانی کی جانچ کیلئے اس

قسم کے سوالات لازمی ہیں لہٰذا ان کے سوالات بناتے وقت کچھ نکات ذہن میں رکھئے۔ مثلاً

1. کیا آپ کا سوال وہی جواب اخذ کر رہا ہے جس کا ٹسٹ آپ لینا چاہتے ہیں۔

2. سوالات واضح اور آسان الفاظ میں ہوں۔

3. سوالات مختصر ہوں مگر مبہم نہ ہوں مثلاً آپ قائد اعظم کے متعلق کیا جانتے ہیں؟

4. ایسے سوالات کم سے کم کیجئے جو صرف یادداشت کا جائزہ لیں۔

5. ایسے سوالات نہ دیں جن میں بچے محض کتاب کے الفاظ دہرا دیں اور انہیں خود سے لکھنے یا ذہن پر زور دینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

6. اساتذہ عموماً" درسی کتابوں میں دی گئی مشقوں کے سوالات ہو بہو پرچوں میں لکھ دیتے ہیں اس سے بچوں میں خود سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں ابھرتی اور وہ کلاس میں بتائے ہوئے جواب کو دہرا دیتے ہیں۔

7. جب تک کوئی استاد مضمون پر عبور نہ رکھتا ہو اسے پرچہ بنانے اور جانچنے کیلئے نہیں کہنا چاہئے۔

8. بچوں کی حوصلہ افزائی کتاب کے رٹے رٹائے جوابات لکھ دینے پر نہ کیجئے۔ اس میں ان میں بغیر سمجھے یاد کرنے کی عادت بڑھے گی۔

معروضی (Objective Type) سوالات کی جانچ (Marking) میں بھی نقائص زیادہ ہیں۔ مثلاً

(1) ان میں ذاتی رائے خصوصیت Suhjectivity کا عنصر شامل ہو جاتا ہے مثلاً کسی کے لکھنے کا انداز یا قوت بیان متاثر کردے تو اصلی مواد سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔

(2) اس میں اپنی پسند' ناپسند' موڈ' بچہ کی لکھائی' بچہ کا ذاتی تاثر وغیرہ لاشعوری طور پر متاثر کر کے نمبروں میں کمی بیشی کا موجب ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک خوش خط بچے کو استاد دوسرے بچوں کی نسبت نمبر

کچھ زیادہ دے دیتا ہے یا جو بچہ کلاس میں اچھا کام کرے۔ تابعدار ہو اس کا پرچہ دیکھتے ہوئے استاد کے رویے میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

(3) مختلف اوقات میں اور مختلف اشخاص اگر ایک ہی پرچہ کو جانچیں تو نمبروں میں فرق آ جاتا ہے۔

Marking کی ان خرابیوں کو کم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل باتوں پر توجہ دیجئے۔

1 - ایسے سوالات جن میں غیر ضروری مواد دیا گیا ہو ان میں سے اہم نکات کو الگ نشانات دے دیجئے تاکہ جائزہ لینے اور نمبر دینے میں آسانی ہو اور Points کے مطابق نمبروں کی تقسیم کر دیں۔ مثلاً علامہ اقبال کب پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کہاں حاصل کی۔

2 - ایک وقت میں تمام پرچوں کا ایک سوال دیکھئے تاکہ یکسانیت رہے۔

3 - تھکن اور خرابی مزاج کی حالت میں پرچے نہ دیکھیں۔ اس سے بھی Marking پہ اثر پڑیگا۔

4 - پرچوں پر بچوں کے ناموں کی بجائے فرضی نمبر یا ہندسے لگائیے تاکہ تاثر کم ہو جائے۔

5 - رٹی رٹائی باتوں اور الفاظ کو ترجیح نہ دیں ورنہ بچے دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لائیں گے۔

6 - فرض اور کام کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر پوری توجہ اور دلچسپی سے پرچہ جانچئے کیونکہ ان کے نتائج پہ بچے کی زندگی اور ترقی کا دارو مدار ہوتا ہے۔ غلط نتائج بچے کو بددل اور پست حوصلہ بھی بنا سکتے ہیں۔

Objective Test ان ٹسٹوں میں Subjectivty کا عنصر بالکل کم ہو جاتا ہے اور یہ زیادہ قابل اعتماد تصور کئے جاتے ہیں لیکن ان سے بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں Creativity or Ability کا جائزہ نہیں لیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ اس میں بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں چانس کا امکان زیادہ ہے۔ ان میں عموماً" بچے Guess سے جواب پر نشان لگا دیتے ہیں جو کہ صحیح بھی ہو سکتا ہے۔

I - ان ٹسٹوں میں بھی مقاصد کا تعین ضروری ہے اور انہی کو ذہن میں رکھ کر سوالات بنائیے۔ ان کے

سوالات بنانا زیادہ مشکل ہیں اور سوالات صحیح طرز پر یہ بنائے جائیں تو مطلوبہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

2 - چونکہ عموماً" بچے اندازے سے جواب لکھ دیتے ہیں یا چن لیتے ہیں اس لئے ایسے سوالات بنائیں جن میں سوچ بچار کرنی پڑے۔

3 - Chance Factur کم کرنے کے لئے "Multiple choice" کے سوالات کو ترجیح دیں۔ اس میں چانس کا عنصر کم ہو جاتا ہے۔ ایک Multiple Choice سوال کے 4 سے 6 تک متوقع جوابات ہونے چاہیں۔

4 - ایسے سوالات بنائیے جو اصل کے قریب ہوں تاکہ بچوں کو چننے میں غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ مثلاً پاکستان 23 مارچ 1944 کو عالم وجود میں آیا۔

14 اگست 1947 " " "

11 ستمبر 1948 " " "

9 نومبر 1938 " " "

5 - ٹسٹ کے سوالات بتدریج مشکل ہونے چاہیں اگر ابتدائی سوالات مشکل رکھ دیئے جائیں تو بچہ گھبرا جائے گا اور اس کی کارکردگی متاثر ہو گی۔

اچھے اور ناقص سوالات کی وضاحت بذریعہ مثال حسب ذیل ہے

خانہ کعبہ میں کتنے بت رکھے ہوئے تھے۔

360 ' 370 ' 380 ' 390

460 ' 260 ' 560

Choices اس قسم کی ہونی چاہیں یہ نہ ہو کہ 500, 400, 360 دی جائیں

Essay Type - 2 آنحضرت صلعم کی جامعیت اور اکملیت پر نوٹ لکھیں- غلط سوال ہے- سوال براہ راست ہونا چاہئے چھوٹے چھوٹے Facts پوچھیں

2 - روزہ کے فوائد تین سطروں میں بیان کریں- اس کے بجائے سوال یہ ہونا چاہئے کہ روزہ کے کوئی سے تین فوائد لکھو؟

3 - گندم کہاں کہاں پیدا ہوتی ہے- غلط سوال ہے کیونکہ گندم کہاں پیدا نہیں ہوتی- سوال یہ ہونا چاہئے کہ گندم صوبہ سرحد کے کس ضلع میں زیادہ پیدا ہوتی ہے؟

3 - پرچوں میں Choice نہیں ہونا چاہئے یا کم ہونی چاہئے وجہ یہ ہے کہ ٹیسٹ گروپ کے لئے ہے اس لئے مقابلہ ایک سے سوالوں سے ہونا چاہئے اگر ایک گروپ ایک سوال کرتا ہے اور دوسرا دوسرا سوال کرتا ہے تو مقابلہ کیسے ہو گا-

4 - سوالات الگ الگ ہونے چاہیں اجزاء نہیں ہونے چاہیں جبکہ اجزاء کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا- بچوں کیلئے Confusions ہوتا ہے-

5 - پرچہ بناتے وقت یہ خیال رکھنا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ نمبر ایسے ہوں کہ کوئی طالب علم اسے حاصل نہ کر سکے اگر ایک طالب علم سو کے سو نمبر لے لیتا ہے تو ہم اس کی صحیح صلاحیت کا اندازہ نہیں کر سکیں گے مثلاً ایک وزن کرنے کی مشین کی 200 Capacity پونڈ ہے اور ایک شخص اس پر اپنا وزن کرتا ہے اگر مشین 200P وزن دکھائی ہے تو اس کا اصلی وزن پتہ نہیں چل سکتا-

6 - پرچے میں Essay Type اور Objective دونوں قسم کے سوالات ہونے چاہیں-

مجموعی ریکارڈ (طالب علم کا تعلیمی و ذاتی گوشوارہ) کی

اہمیت ضرورت و استعمال کا طریقہ کار

تحریر: عبداللطیف میر

تعلیم کے ذریعے طالب علم کی جو ترقی مقصود ہوتی ہے' اسے اس کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کی ضروریات کے لحاظ سے اس کی زندگی کے آئندہ چند سالوں پر پھیلا دیا جاتا ہے ذہنی اور سماجی نشوونما کے اصول یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ بچے کے کردار میں آنے والی ہر تبدیلی کا تعلق مستقبل میں ہونے والی تبدیلی سے ہوتا ہے۔ ایک کامیاب معلم کے لئے حرف درسی مضامین کا علم اور اس کے پڑھائے جانے کا طریقہ جاننا ہی کافی نہیں۔ بلکہ وہ اپنے شاگردوں پر اس تبدیلی اور اثرات جاننے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ جو کہ اسکول کی تعلیمی سرگرمیاں اس پر مرتب کرتی ہیں کیونکہ اس کے بغیر وہ تعلیمی پروگرام کو بامقصد اور مفید طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ دور جدید میں معلمین کا فرض یہ ہی نہیں کہ وہ اپنے شاگردوں کو متعلقہ مضامین سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں ان کی مدد کریں۔ بلکہ مقاصد تعلیم اور نفسیات کی روشنی میں طالب علم کی شخصیت کو اجاگر کرنے اور اسے اپنے مسائل کو بہتر طور پر حل کرنے کی صلاحیت بڑھانے میں ان کی مدد کرنا اصل مقصد ہوتا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسا طریقہ کار رائج کیا جائے۔ جس کی مدد سے معلمین اپنے ہر طالب علم کا ایک مجموعی انفرادی خاکہ تحریری طور پر تیار کر سکیں۔ جدید سائنسی دور کے تقاضوں کے تحت اب صرف سالانہ امتحانوں کے نتائج پر ہی اکتفائیں کیا جاتا بلکہ معیاری آزمائشوں' سکیلوں اور گریڈوں کا استعمال عام ہو رہا ہے۔ اب طالب علم کی قابلیتوں' صلاحیتوں اور اس کی کارکردگی کا محض دو یا تین گھنٹوں کے تحریر یا زبانی پرچے جانچنے پرکھنے کا تصور جدید ماہرین تعلیم کی نظر میں اپنا جواز کھو چکا ہے۔

پاکستان کا موجودہ تعلیمی ڈھانچہ برطانوی دور حکومت میں قائم شدہ نظام میں اپنی ضرورتوں کے مطابق تبدیلیاں کر کے اپنایا گیا ہے۔ دوسرے شعبوں کی طرح طلبہ کے ریکارڈ رکھنے کا طریقہ چند سال

پہلے تک وہی تھا۔ جو کہ قیام پاکستان کے وقت تھا اور سکولوں کی اکثریت نے بھی ابھی تک وہی پرانا طریقہ اپنا رکھا ہے ۱۹۷۹ء سے صوبہ سرحد کے تمام سرکاری سکولوں میں ایک نئے طریقہ کار کو اپنایا گیا ہے محکمانہ ہدایات کے مطابق نئے طریقہ کار کے تحت نویں جماعت تک سالانہ امتحانات کو اپنی سابقہ شکل میں ختم کر کے ہر سکول میں مقامی طور پر جائزوں کی ذمہ داری متعلقہ سکول اور جماعت کے اساتذہ کے سپرد کر دی گئی ہے۔ اس نئے نظام کے تحت معلمین ایک تعلیمی سال میں کم از کم چار سہ ماہی امتحانات کی مجموعی کارکردگی کی بنا پر تعلیمی ریکارڈ پیش کیا جاتا ہے۔ جماعت اول تا پنجم اس تعلیمی کارکردگی کو گریڈوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ مگر جماعت ششم تا دھم تک تعلیمی کارکردگی کو ۸۰ فیصد ہم نصابی سرگرمیوں کو ۱۰ فیصد اور سیرت و کردار یعنی شخصیت کے لئے ۱۰ فیصد نمبر مختص کئے گئے ہیں۔ ان سب کو اکٹھا کر کے آخری گریڈ نکالا جاتا ہے۔

ٹیکسٹ بک بورڈ صوبہ سرحد - پشاور نے حصہ پرائمری اور حصہ ثانوی کے لئے علیحدہ علیحدہ مجموعی ریکارڈ فارم بنام "طالب علم کا تعلیمی و ذاتی گوشوارہ" شائع کر رکھے ہیں۔ جن کا نمونہ حسب ذیل ہے۔

طالب علم کا

تعلیمی و ذاتی گوشوارہ

(حصہ پرائمری)

نام طالب علم..... جنس.....

مذہب..... تاریخ پیدائش.....

والد کا نام..... سرپرست کا نام و رشتہ (اگر والد بقید حیات نہ ہو)

.....والد کی تعلیم و پیشہ.....

گھر کا پتہ موجودہ.....

مستقل پتہ.....

اسکول ریکارڈ

نام اسکول	رجسٹرڈ داخلہ نمبر	تاریخ داخلہ	جماعت	تاریخ اخراج	جماعت	کیفیت

شائع کردہ :۔ این ڈبلیو ایف پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

منظور کردہ :۔ محکمہ تعلیم و ثانوی بورڈ پشاور برائے استعمال در جملہ مدارس صوبہ سرحد و قبائلی علاقہ جات

گوشوارہ صحت

	جماعت اول	جماعت دوم	جماعت سوم	جماعت چہارم	جماعت پنجم
قد					
وزن					
بینائی					
سماعت					
گفتار					
کہنہ امراض					
عمومی صحت					

شخصیت و رویہ (مجلسی روداد) گوشوارہ نمبر۲

نام صلاحیت	جماعت اول	جماعت دوم	جماعت سوم	جماعت چہارم	جماعت پنجم
تعاون					
ذمہ داری					
اطاعت و راستبازی					
انہماک					
وقت کا صحیح مصرف					
بڑوں کا ادب					
ضبط نفس					
لحاظ حقوق دیگراں					
احساس تحفظ املاک جمہور					
قائدانہ صلاحیت					

حاضری

	جماعت اول	جماعت دوم	جماعت سوم	جماعت چہارم	جماعت پنجم
کل ممکن حاضریاں					
اصل حاضریاں					

خصوصی دلچسپیاں

	جماعت اول	جماعت دوم	جماعت سوم	جماعت چہارم	جماعت پنجم
کھیلیں پی ٹی					
ادبی و سماجی مشاغل					
حسن قرات					
تخلیقی مشاغل					
سماجی و رفاہی کام					
مطالعہ فطرت اور اس کی حفاظت					

تعلیمی ریکارڈ

	جماعت اول				جماعت دوم				جماعت سوم				جماعت چہارم				جماعت پنجم			
	پہلی سہ ماہی	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	پہلی سہ ماہی	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	پہلی سہ ماہی	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	پہلی سہ ماہی	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	پہلی سہ ماہی	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی
اردو																				
ریاضی																				
سائنس																				
معاشرتی علوم																				
اسلامیات																				
پشتو																				
آرٹ																				

جماعت میں پوزیشن

دستخط استاد صاحب

ہر امتحان میں ہر مضمون کے سو نمبر مقرر کئے جائیں

استاد کی رائے

جماعت	رائے	دستخط استاد
اول		
دوم		
سوم		
چہارم		
پنجم		

دستخط استاد..... دستخط ہیڈ ماسٹر صاحب.....

ہدایات برائے استاد پرائمری حصہ کلاس اول تا پنجم

استاد صاحب ہر تین مہینوں کے بعد اپنی جماعت کے طلباء کا مختلب مضامین میں امتحان لیں گے اور طلباء کو ان کی قابلیت کے مطابق ہیڈ ماسٹر صاحب کی نگرانی میں گریڈ دیں گے۔ گریڈوں کو ریکارڈ میں درج کیا جائے گا۔ تعلیمی سال کے اختتام پر متعلقہ افسران محکمہ تعلیم اسکول کا معائنہ کریں گے اور تمام طلباء کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال کریں گے۔ اس کے بعد ان کو آخری گریڈ دیں گے۔ گریڈوں کی تعداد چار ہو گی ا۔ ب۔ ج۔ د

جو طلباء ۳۳ فیصد سے کم نمبر لیں گے۔ ان کو (د) گریڈ اور ۳۳ سے ۴۴ فیصد (ج) گریڈ ۴۵ سے ۵۹ فیصد (ب) گریڈ ۶۰ فیصد اور ۶۰ فیصد سے اوپر نمبر لینے والوں کو گریڈ (ا) دیا جائے گا۔

پانچویں جماعت پاس کرنے کے بعد جو سرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے ان کے نتائج گریڈوں میں درج کئے جائیں گے۔ جو ہر مضمون کے لئے علیحدہ علیحدہ ہوں گے اور مجموعی ریکارڈ میں درج شدہ گریڈوں کے مطابق ہوں گے۔

طالب علم کا

تعلیمی و ذاتی گوشوارہ (ثانوی)

نام طالب علم..... جنس..... مذہب.....

تاریخ پیدائش..... والد کا نام.....

سرپرست کا نام و رشتہ (اگر والد بقید حیات نہ ہو)..... والد کی تعلیم و پیشہ.....

گھر کا پتہ: موجودہ..... مستقل.....

.....

سکول ریکارڈ

نام سکول	رجسٹر داخلہ نمبر	تاریخ داخلہ	جماعت	تاریخ اخراج	جماعت	کیفیت

گوشوارہ صحت

	جماعت ششم	جماعت ہفتم	جماعت ہشتم	جماعت نہم	جماعت دہم
قد					
وزن					
بینائی					
سماعت					
گفتار					
کہنہ امراض					
عمومی صحت					

شائع کردہ این ڈبلیو ایف پی ٹیکسٹ بک بورڈ' پشاور منظورہ کردہ محکمہ تعلیم و ثانوی بورڈ' پشاور

تعلیمی ریکارڈ (گوشوارہ ۱)

مضامین	جماعت ششم				جماعت ہفتم				جماعت ہشتم				جماعت نہم				جماعت دہم				سرٹیفکیٹ امتحان میں شرکت کی اجازت	سرٹیفکیٹ امتحان میں کامیابی
	سالانہ امتحان	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	سالانہ امتحان	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	سالانہ امتحان	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	سالانہ امتحان	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی	سالانہ امتحان	دوسری سہ ماہی	تیسری سہ ماہی	چوتھی سہ ماہی		
اردو																						
ریاضی																						
سائنس																						
معاشرتی علوم/مطالعہ پاکستان																						
پشتو																						
انگریزی																						
عربی																						
فارسی																						
اسلامیات																						
زرعی/فنی تعلیم/خاندانی امور																						
میزان																						
فی صد حاصل کردہ نمبر																						
حاصل کردہ پوائنٹ																						
دستخط فارم ماسٹر																						
دستخط سرپرست																						
دستخط ہیڈ ماسٹر																						

جدول الف میں پوائنٹس کے اندراج کے لئے حاصل کردہ نمبروں کو پوائنٹس میں تبدیل کیجئے۔ اس کے لئے طریق یہ ہوگا کہ ۷۰٪ زیادہ نمبروں کے لئے 5 پوائنٹ، ۶۰ سے ۶۹٪ تک کے لئے ۴ پوائنٹ، ۵۱ سے ۵۹٪ کے لئے ۳ پوائنٹ، ۴۱ سے ۵۰٪ کے لئے 2 پوائنٹ اور 33 سے ۴۰٪ تک کے لئے 1 پوائنٹ دیا جائے۔

حاضری

	جماعت ششم	جماعت ہفتم	جماعت ہشتم	جماعت نہم	جماعت دہم
کل ممکن حاضریاں					
اصل حاضریاں					

جدول الف (طالب علم کی نصابی، مجلسی اور غیر نصابی استعداد کا میزانیہ)

جماعت	نصابی کارکردگی کا میزانیہ (گوشوارہ ۱)		مجلسی رویے کا میزانیہ (گوشوارہ ۲ سے)		غیر نصابی استعداد کا میزانیہ (گوشوارہ ۳ سے)		کل حاصل کردہ نمبر
	حاصل کردہ پوائنٹ گوشوارہ ۱	معیاری قیمت ۵۰ سے ضرب دیکر معیاری پوائنٹ	حاصل کردہ پوائنٹ گوشوارہ ۲	معیاری قیمت ۱۰ سے ضرب دیکر معیاری پوائنٹ	حاصل کردہ پوائنٹ گوشوارہ ۳	معیاری قیمت ۱۰ سے ضرب دیکر معیاری پوائنٹ	(گوشوارہ ۱ + ۲ + ۳)
جماعت ششم							
جماعت ہفتم							
جماعت ہشتم							
جماعت نہم							
جماعت دہم							

گوشوارہ جات ۱، ۲، ۳ کے حاصل کردہ پوائنٹ جدول الف میں متعلقہ جگہوں پر درج کرکے جدول کے دیگر خانے مکمل کیجئے اور آخری خانے میں میزان لکھیے۔

جدول ب (جدول الف کے حاصل کردہ پوائنٹس کا حرفی میزانیہ)

جماعت	حاصل کردہ حرفی گریڈ	دستخط فارم ماسٹر	دستخط سرپرست	دستخط ہیڈ ماسٹر
ششم				
ہفتم				
ہشتم				
نہم				
دہم				

جدول الف میں کل حاصل کردہ پوائنٹس کو حرفی گریڈ میں تبدیل کرکے جدول ب میں درج کیجئے۔ حرفی گریڈ دیتے ہوئے درجہ بندی کا پیمانہ یہ ہوگا:-
450 سے 500 تک ا گریڈ، 350 سے 449 تک ب گریڈ، 250 سے 349 تک ج گریڈ، 150 سے 249 تک د گریڈ، 150 سے کم کے لئے ہ گریڈ۔

ہدایات برائے اساتذہ

فارم ماسٹر صاحبان دوسرے اساتذہ کے تعاون سے اپنی اپنی جماعت کے ہر طالب علم کا کیومولیٹو ریکارڈ تیار کریں گے اور یہ سلسلہ تمام سال جاری رہے گا۔ ایک تعلیمی سال کے دوران چار سہ ماہی امتحان لئے جائیں گے۔ جن کی تفصیل یہ ہوگی:-

پہلا امتحان: گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے ماہ جون میں دوسرا امتحان: ستمبر کے آخر میں
تیسرا امتحان: دسمبر کے تیسرے ہفتے میں چوتھا امتحان: مارچ کے آخر میں

تمام کلاسوں کے لئے معیاری پرچے تیار کرنے کے لیے ہیڈ ماسٹر صاحب ہر سطح پر امتحانی کمیٹیاں بنائیں گے جن میں سٹاف کے تجربہ کار ممبر شامل ہونگے، فارم ماسٹر صاحبان ہیڈ ماسٹر صاحب کی نگرانی میں ریکارڈ میں گریڈوں کا اندراج کریں گے۔ آخری جماعت پاس کرنے کے جو سرٹیفکیٹ دیئے جائیں گے اور جو نتیجہ گریڈوں میں ہوگا فارم ماسٹر صاحبان کو چاہیئے کہ وہ ہر طالب علم کا ریکارڈ بھرتے وقت پوری احتیاط سے کام لیں اور جہاں تک ممکن ہو صحیح اندراج کریں جن کی بنا پر اس کی تعلیمی تاریخ مرتب کرنے میں آسانی ہو۔ مزید ہدایات کے لئے ثانوی تعلیمی بورڈ پشاور کا سرکلر نمبر 3172 مجریہ 21 اکتوبر 1974ء ملاحظہ کیا جائے۔

شخصیت و رویہ (مجلسی روداد) گوشوارہ ۲

نام صلاحیت	جماعت ششم	جماعت ہفتم	جماعت ہشتم	جماعت نہم	جماعت دہم
تعاون					
ذمہ داری					
اطاعت و راستبازی					
انہماک					
وقت کا صحیح مصرف					
بڑوں کا ادب					
ضبطِ نفس					
لحاظ حقوقِ دیگراں					
احساسِ تحفظِ املاکِ جمہور					
قائد/از صلاحیتیں					
حاصل کردہ پوائنٹ					
اوسط (دسواں حصہ)					

مرتب سال/از امتحان کے لئے

ہر ایک صلاحیت کے لئے زیادہ سے زیادہ ۵ اور کم از کم ایک پوائنٹ ہے۔ حاصل کردہ پوائنٹس کا اوسط جدول الف میں درج کیجئے (زیادہ سے زیادہ پانچ)

خصوصی دلچسپیاں (غیر نصابی مشاغل)، گوشوارہ ۳

نام مشاغل	جماعت ششم	جماعت ہفتم	جماعت ہشتم	جماعت نہم	جماعت دہم
کھیلیں (بیرونی۔ رائفل کورل ایتھلیٹکس وغیرہ)					
ادبی اور سماجی مشاغل					
قرأت					
تخلیقی مشاغل					
مطالعہ فطرت اور ماحول کی حفاظت					
میزان حاصل کردہ پوائنٹس					
اوسط (میزان کا پانچواں حصہ)					

مرتب سال/از امتحان کے لئے

ہر مشغلہ کے لئے زیادہ سے زیادہ پانچ اور کم از کم ایک پوائنٹ ہے۔ کسر میں ایوارڈ نہ دیا جائے۔ اگر کسی طالب علم نے پانچ سے کم اوسط پوائنٹس حاصل کئے ہوں، لیکن وہ ان مشاغل میں سے کسی میں مقابلتاً بے مثال مہارت کا متحمل ہو تو اس کے پوائنٹس کی کمی پوری کرتے ہوئے امتیازی خصوصیت کے خانے میں اسے جلی حروف سے ظاہر کیجئے۔ مثلاً:

بہترین کھلاڑی، بہترین مقرر، بہترین ایتھلیٹ وغیرہ،

امتیازی خصوصیت	حاصل کردہ پوائنٹس (زیادہ سے زیادہ پانچ) کا اندراج جدول الف میں کیجئے۔

مندرجہ بالا ہر دو گوشواروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ طلبہ کی ہم نصابی سرگرمیوں اور شخصیت یعنی سیرت و کردار کو بھی خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

غرضیکہ مجموعی ریکارڈ معلومات کا ایک ایسا ذخیرہ ہے جس میں کسی ایک فرد یا چیز کے متعلق اس کے تفصیلی حالات ایک باقاعدہ اور بامقصد انداز میں تحریر کئے جا سکیں اور اس میں آئندہ ہونے والی تبدیلیوں کو بھی درج کیا جا سکے ۔ اس مجموعی ریکارڈ میں مختلف درجوں کے طلباء کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر اس طرح معلومات اکٹھی کی جاتی ہیں ۔ کہ وہ اسکول کی نصابی اور معاون نصابی سرگرمیوں کو مزید مفید اور موثر بنانے کے لئے اسکول کی انتظامیہ اور اساتذہ کے معاون ثابت ہوں ۔ چنانچہ اس ریکارڈ میں نہ صرف نصاب سے متعلقہ باتیں درج ہیں بلکہ طلباء کی معاون نصابی سرگرمیوں اور تبدیلیوں کو بھی درج کیا جاسکتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ایسا ریکارڈ تازہ ترین جائزہ پیش کرتا ہے ۔

اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجموعی ریکارڈ ایک ایسا جائزہ اور معلومات کا مجموعہ ہے جس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کو کسی مضمون میں کتنی مہارت حاصل ہے ۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مہارت کو حاصل کرنے کے بعد طالب علم کے مشاغل اور شخصیت میں کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ۔ اس کے علاوہ اس ریکارڈ سے طلباء کی کمزوریوں کی نشان دہی بھی ہوتی ہے اور اس کے رجحانات ' دلچسپی ' رویہ ' صحت وغیرہ کے متعلق بھی صحیح معلومات مل سکتی ہیں۔

گریڈ نکالنے کا طریقہ

ابتدائی مدارس (جماعت اول تا پنجم)

سال بھر میں چار سہ ماہی امتحانات کے کل نمبروں کو جمع کر کے ان کی اوسط نکالی جائے گی اوسط کو فی صد میں تبدیل کیا جائے گا اور ۳۳ فیصد سے کم کے لئے د گریڈ ۳۳ تا ۴۴ فیصد نمبروں کے لئے ج گریڈ ۴۵ تا ۵۹ فیصد کے لئے ب گریڈ ۶۰ فیصد یا اس سے زائد نمبروں کے لئے الف گریڈ دیا جائے اور اس کو گوشواروں میں تبدیل کیا جائے گا ۔

(جماعت ششم تا ہشتم)

ان جماعتوں میں بھی سال بھر میں چار سہ ماہی امتحانات ہوں گے ان کے مجموعی نمبروں کی اوسط

نکالی جائے گی اوسط کو بھی فی صد میں تبدیل کیا جائے گا ۳۰ فیصد سے کم نمبروں کے لئے صفر پوائنٹ' ۳۱ تا ۴۰ فیصد کے لئے ۱ پوائنٹ ۴۱ تا ۵۰ فیصد ۲ پوائنٹ ۵۱ تا ۶۰ فیصد کے لئے ۳ پوائنٹ ۶۱ تا ۷۰ فیصد کے لئے ۴ پوائنٹ اور ۷۰ فیصد یا اس سے زائد کے لئے ۵ پوائنٹ دیئے جائیں گے ۔ اس کی معیاری قیمت حاصل کرنے کے لئے اس کو ۸۰ سے ضرب دی جائے گی یعنی یہ نصابی کارکردگی کا میزانیہ ہو گا

اس کے علاوہ شخصیت و رویے یعنی مجلسی روداد (گوشوارہ نمبر۲) میں بھی ہر ایک صفت کے لئے ایک تا ۵ تک پوائنٹ دیئے جائیں گے ۔ بہت معمولی کے لئے ایک پوائنٹ ' معمولی کے لئے ۲ پوائنٹ ' اوسط کے لئے ۳ پوائنٹ ' اچھا کے لئے ۴ پوائنٹ اور اعلیٰ کے لئے ۵ پوائنٹ دیں گے ۔ ان سب کو جمع کر کے ان کی اوسط نکالی جائے گی یعنی کل دس صفات ہیں تو مجموعہ کو ۱۰ سے تقسیم کیا جائے گا اس طرح حاصل شدہ اوسط پوائنٹ کو ۱۰ سے ضرب دے کر معیاری قیمت حاصل کی جائے گی یہ مجلسی رویے کا میزانیہ ہو گا ۔ اہم نصابی سرگرمیوں کو بھی اس طرح پوائنٹ دیئے جائیں گے ۔ کیونکہ کل ۵ صفات ہیں اور اس اوسط پوائنٹ کو ۱۰ سے ضرب دے کر معیاری قیمت حاصل کی جائے گی ۔ یہ اہم نصابی استعداد کا میزانیہ ہو گا ۔

اب امتحانوں کے نتائج کی معیاری قیمت ' شخصیت و رویے کی معیاری قیمت اور اہم نصابی سرگرمیوں کی میعاری قیمتوں کو جمع کر دیا جائے گا ۔

۴۵۰	سے	۵۰۰	تک	ا	گریڈ (A)
۳۵۰	سے	۴۴۹	تک	ب	" (B)
۲۵۰	سے	۳۴۹	تک	ج	" (C)
۱۵۰	سے	۲۴۹	تک	د	" (D)
۱۵۰	سے	کم	کے لئے	ہ	" (E)

(جماعت نہم ' دہم کے طلباء کا گریڈ نکالنا)

جماعت دہم کے طلباء کو سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ امتحان میں شمولیت سے پہلے یہ نہایت

ضروری ہے کہ گریڈ نکال کر اس کو اس کے فارم داخلہ میں درج کیا جائے یہ گریڈ نکلانے کا طریقہ حسب ذیل ہے۔

جماعت نہم میں لئے گئے چار امتحانات اور جماعت دہم میں لئے گئے ۳ امتحانات میں سے چار بہترین امتحانوں کا انتخاب کیا جائے اور چار امتحانوں میں حاصل کردہ نمبروں کو جمع کر کے ان کی اوسط نکالی جائے اوسط کو فیصد میں تبدیل کیا جائے اور پھر اس فیصد کے مطابق پوائنٹ لیا جائے اس پوائنٹ کو اس کی معیاری قیمت ۸۰ سے ضرب دی جائے فرض کیا یہ D آیا۔

شخصیت و رویے کے لئے ..... جماعت نہم و دہم میں دونوں میں لئے گئے نمبروں کی اوسط لی جائے چونکہ ان کا اندراج سال میں دو ہی دفعہ ہوتا ہے۔ اس اوسط کے مطابق پوائنٹ دیا جائے اور اس کو اس کی معیاری قیمت ۱۰ سے ضرب دی جائے فرض کیا یہ ب آیا۔

اہم نصابی سرگرمیوں کے لئے بھی دونوں سالوں کی اوسط لے کر اس کے مطابق پوائنٹ نکال کر ضرب دے دی جائے۔ فرض کیا یہ ج آیا۔

اس کی مزید وضاحت کے لئے درج ذیل مثال پر غور کریں۔ فرض کریں کسی طالب علم نے جماعت نہم کے چار امتحانوں میں بالترتیب ۶ سو ' ۶۵۰ ' ۴۵۰ ' ۷۰۰ نمبر حاصل کئے اور جماعت دہم میں لئے گئے ۳ امتحانوں میں علی الترتیب ۶۲۰ ' ۶۶۰ ' ۵۶۰ نمبر حاصل کئے اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ان سات امتحانوں میں سے اس کے چار بہترین امتحان کون سے ہیں۔ سات سو ' ۶۵۰ ' ۶۲۰ ' ۶۶۰ ان سب کو جمع کرنے سے ۲۶۳۰ ہوئے۔ اس کی اوسط ۴۔ ۲۶۳۰ = ۶۵۶ آئی۔ اب اس کو فیصد میں تبدیل کرنے سے ۱۰۰ x ۶۵۶ = ۵ ۹۳ یا ۹۴ فیصد نمبر آئے۔ ۷۰ فیصد سے اوپر کے لئے ۵ پوائنٹ ہیں۔ اس نے ۵ پوائنٹ حاصل کر لئے اب اس کو ۸۰ فیصد دینے کے لئے ۸۰ (اسی) سے ضرب دے دی تو ۸۰ x ۵ = ۴۰۰ آیا ہے۔ آپ جماعت نہم میں حاصل کردہ نمبر اور جماعت دہم میں حاصل کردہ نمبروں کو جمع کریں۔ ان کی اوسط نکال لیں مثلاً ایک طالب علم شخصیت اور رویے کے کل ۵۰ نمبروں میں سے جماعت نہم میں ۳۰ نمبر لئے اور جماعت دہم میں ۴۰ نمبر لئے اب دونوں کو جمع کریں کل ۷۰ ہوئے اب ان کی اوسط نکال لیں یعنی ۷۰/۲ = ۳۵ جواب آیا۔ اب ۳۵ کو ۱۰ سے تقسیم کریں تو ۱۰/ ۳۵ = ۳.۵ آیا۔ نصف یا نصف سے زائد کے لئے پورا پوائنٹ دیں نصف سے کم ہو تو چھوڑ دیں

اس طرح یہ ۳.۵ کی بجائے ۴ پوائنٹ ہوئے اس کو ۱۰ سے ضرب دیں تو معیاری قیمت نکل آئے گی۔

۴ x ۱۰ = ۴۰ یعنی چالیس جواب آیا۔

اس طرح ہم نصابی سرگرمیوں میں جماعت نہم میں طالب علم نے ۲۰ فیصد نمبر لئے اور جماعت دہم میں ۱۰ فیصد نمبر لئے ان کو جمع کرنے سے ۱۳۰ ہو گئے اس کی اوسط لیں تو ۲۰ / ۳۰ = ۱۵ ہوئے اس کو پوائنٹ میں تبدیل کرنے کے لئے ۵ سے تقسیم کریں جواب ۳ آیا۔ اب اس کی معیاری قیمت حاصل کرنے کے لئے اس کو ۱۰ سے ضرب دیں (۳ x ۱۰ = ۳۰) تو ۳۰ جواب آیا یہی اس کی معیاری قیمت ہے۔ اب نصابی کارکردگی کی معیاری قیمت گوشوارہ نمبرا' مجلسی رویئے کا میزانیہ کی معیاری قیمت گوشوارہ نمبر ۲ اور ہم نصابی استعداد کا میزانیہ گوشوارہ نمبر ۳ سب کو جمع کریں گے۔

اگر یہ مجموعہ	۴۵۰	تا	۵۰۰	کے درمیان ہو تو	D (A) حرفی گریڈ
" "	۳۵۰	تا	۴۴۹	" "	ب (B) "
" "	۲۵۰	تا	۳۴۹	" "	ج (C) "
" "	۱۵۰	تا	۲۴۹	" "	د (D) "
" "	۱۵۰	سے کم ہو تو		" "	ہ (E) "

دیا جائے گا اور اس کا اندراج سالانہ امتحانات کے لئے بھیجے گئے داخلہ فارموں میں کیا جائے جو کہ سالانہ گزٹ اور اس کی سند میں دکھایا جائے گا۔

مجموعی ریکارڈ کی ضرورت

کس نظام پر عمل درآمد سے پہلے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ اس نظام کی ضرورت کیا ہے۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ مجموعی ریکارڈ' تعلیمی' نفسیاتی اور انتظامی لحاظ سے کیوں ضروری ہے۔

۱۔ صحیح تعلیم و تربیت کے لئے طلباء کے ماحول سے واقفیت حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے یعنی ان کے گھریلو حالات کیسے ہیں ؟ والدین زندہ ہیں یا نہیں۔ والدین / سرپرستوں کی آمدنی کیا ہے ؟ والدین / سرپرستوں کا رویہ بچے سے کیسا ہے اور ایسی ہی سب معلومات کی روشنی میں طلباء کی صحیح رہنمائی ہو

سکتی ہے ۔ کیونکہ طلباء کا گھریلو ماحول اس کی تعلیم و شخصیت اور کردار کو متاثر کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے ان سب باتوں کو ریکارڈ کرنے کے لئے مجموعی ریکارڈ کی ضرورت ہے ۔

۲۔ تعلیم کا مقصد طلباء میں متعلقہ مضمون سمجھنے کی صلاحیت ہی پیدا کرنا کافی نہیں بلکہ انہیں اس قابل بنانا ہے کہ بہتر طریقے سے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر کے معاشرے کے مفید رکن بن سکیں اور اپنا کردار بخوبی ادا کر سکیں ۔ اس کے علاوہ یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ طلباء کا رویہ اپنی عمر کے دوسرے بچوں سے کیا ہے ؟ دوسروں سے تعاون کرنے کی صلاحیت کس حد تک موجود ہے ۔ قوت فیصلہ اور قوت ارادی کس حد تک موجود ہے ۔ بزرگوں سے کس طرح پیش آتے ہیں نظم و نسق کا صحیح مظاہرہ کرتے ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ اس قسم کی معلومات سے معلم اس قابل ہو جاتا ہے ۔ کہ وہ طلباء کی کمزوریوں کو دور کرنے اور ان کی صحیح نشو و نما میں بھرپور مدد کر سکے ۔ ان صلاحیتوں کو موثر انداز میں جاننے کے لئے مجموعی ریکارڈ کی ضرورت اظہر من الشمس ہے ۔

۳۔ موثر تعلیم و تربیت کے لئے معلمین اور والدین کا آپس میں تعاون و اشتراک نہایت ضروری ہے ۔ کیونکہ طلباء اسکول کے مقابلے میں زیادہ تر وقت گھروں میں گزارتے ہیں ۔ معلمین اور والدین کو چاہئے کہ بچے کے مختلف مسائل سے ایک دوسرے کو آگاہ رکھیں اور دونوں مل جل کر بچوں کے مسائل کا حل تلاش کریں اس لئے معلمین کے پاس اس قسم کا ریکارڈ ہونا نہایت ضروری ہے جس میں طلباء کے متعلق مکمل اور بامقصد معلومات ہوں ۔ بصورت دیگر معلمین والدین کا حقیقی تعاون حاصل کرنے سے قاصر رہیں گے ۔ یہ تعاون تعمیری اور مسلسل ہونا چاہئے ۔ مدرسے اور گھر کا بعد طلبا کی تعلیم و رہنمائی میں سخت مضر ثابت ہو سکتا ہے ۔

۴۔ طلباء کی عادات و کردار میں تبدیلی کے متعلق جاننے کے لئے بھی مجموعی ریکارڈ کا ہونا نہایت ضروری ہے ۔ ایسا نہ کرنے سے اس بات کا پتہ نہیں چل سکتا کہ طلباء کے عادات و کردار میں گذشتہ چند سالوں میں کوئی صحت مند تبدیلی واقع ہوئی ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں ہوئی تو اس کی وجوہات کیا ہیں ؟ اور انہیں کیسے دور کیا جا سکتا ہے یا اس کی تعلیم و تربیت میں کون سی خامی رہ گئی ہے جس سے طلباء کا کردار منفی انداز میں متاثر ہوا ہے ۔ مثلاً اگر کسی بچے میں چند سال قبل جھوٹ بولنے کی عادت تھی تو کیا وہ بری عادت کو ختم نہیں ہونے دیتیں ان معلومات کی روشنی میں بچے کی صحیح رہنمائی کر کے اس

بری عادت کو ختم کرنے میں اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

۵۔ معلمین، منتظمین اور دیگر افسران بالا کو تعلیمی منصوبہ بندی میں مجموعی ریکارڈ سے بہت مدد ملتی ہے ۔ اس کی بنیاد پر بہت سے فیصلے کئے جاتے ہیں مثلاً طلباء کو کسی خاص قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے کیا نصاب ان کی ذہنی استعداد کے مطابق ہے یا نہیں ؟ کیا اس میں طلباء کی صلاحیتوں کو مدنظر رکھا گیا ہے ؟ اس کے علاوہ معلمین کو مختلف ذہنی معیار رکھنے والے طلباء کی مناسب گروپ بندی کرنی پڑتی ہے تاکہ ہر گروپ کی اس کی صلاحیت کے مطابق رہنمائی کر سکیں۔

اگر کچھ طلباء بہت ذہین ہوں تو ان کو مزید کام دیا جا سکتا ہے تاکہ ان کی تسکین ہو اور ان کی تعلیمی دلچسپی برقرار رہے اس طرح کمزور طلباء پر زیادہ توجہ دی جا سکتی ہے تاکہ ان کی موجودہ صلاحیت کو بڑھایا جا سکے اس قسم کی تمام کارروائیوں کے لئے ضروری ہے کہ معلمین کے سامنے بچے کا پورا ذہنی شخصی خاکہ تحریری شکل میں موجود ہے۔

۶۔ آئندہ نسل کی بہتری کے لئے یوں تو ساری قوم مجموعی طور پر ذمہ دار ہے مگر اس ضمن میں سب سے زیادہ ذمہ داری مدرسہ اور مدرسین پر عائد ہوتی ہے ۔ ہر تعلیمی ادارہ معاشرے کا جوابدہ ہے آئندہ نسل کو بہتر تعلیم و تربیت اور مناسب نشو و نما پر ہی کسی قوم کی ترقی کا انحصار ہوتا ہے ۔ یہ معلوم کرنے کے لئے یہ ذمہ داری مدرسہ اور مدرسین نے کس حد تک پوری کی ہے مجموعی ریکارڈ کی اشد ضرورت ہے۔

۷۔ مدرسین کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دوران تدریس طلباء کے رجحانات سے واقفیت حاصل کریں یعنی انہیں کن کاموں سے دلچسپی ہے اور ان کے مشاغل کیا کیا ہیں ؟ کن مشاغل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ۔ ان رجحانات کو دیکھتے ہوئے ہی ایک معلم اسے اس کی دلچسپی کے کاموں کی طرف صحیح رغبت دلا سکتا ہے تاکہ اس میدان میں اس کی بھرپور نشو و نما ہو سکے ۔ رجحان کا پتہ چلانے کے لئے بہترین ذریعہ مجموعی ریکارڈ ہے۔

۸۔ مجموعی ریکارڈ بچے کی ذہنی استعداد کے متعلق معلومات فراہم کرتا ہے یہ اس کی نشو و نما کی رفتار کا خاکہ ہوتا ہے اگر رفتار مناسب ہے تو ٹھیک ہے اگر نہیں تو اس کی کچھ وجوہات ہیں ان وجوہات کو معلوم کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ان کی روشنی میں بچے کی مدد کی نوعیت معلوم ہو سکے۔

۹۔ جماعت کے اندر مناسب گروہ بندی کے لئے بھی مجموعی ریکارڈ کی ضرورت پڑتی ہے طلباء کی تعلیمی ترقی کی نشو و نما اور ذہنی معیار کے لحاظ سے گروہ بندی لازمی ہے تاکہ انہیں ان کی ذہنی اور تعلیمی سطح کے مطابق کام دیا جائے۔ اس سے طلباء میں آپس میں تعاون اور مل جل کر کام کرنے کی اہمیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور یہی صفت آئندہ زندگی میں معاشرے میں بھی اس رجحان کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوگی۔

۱۰۔ تدریس کو مزید بہتر اور موثر بنانے کے لئے بھی مجموعی ریکارڈ کی اشد ضرورت ہے۔ تدریس کے بعد حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں ' طریقہ تدریس اور مواد کو مزید بہتر اور موثر بنانے کے لئے بھی اس میں وقتاً" فوقتاً" تبدیلیاں ناگزیر ہو جاتی ہیں۔ مجموعی ریکارڈ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسکولوں کے تجربات اور سرگرمیوں کا طلباء پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس میں کتنی تبدیلی رونما ہوئی ہے؟ کیا یہ تبدیلی مناسب انداز کی ہے یا منفی انداز کی؟ اگر مثبت ہے تو اس کو مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ یہ تبدیلی اگر منفی ہے تو اسے کس طرح مثبت کی طرف لایا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ معلمین کو انتظامی اقدامات کے لئے مواد کی ضرورت ہے اور یہ مواد مجموعی ریکارڈ مہیا کرتا ہے جس سے وہ اسکول کے منتظمین کے ساتھ تبادلہ خیالات کے بعد نافذ کر سکے اور ساتھ ہی معلمین کو ایسی معلومات مہیا ہو سکیں جو کہ اس کی پیشہ ورانہ زندگی کے لئے نہایت اہم ہیں یہ معلومات طلباء کی صحیح رہنمائی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ کیونکہ آج کے بچے ہی مستقبل کی قوم ہیں اور معلمین اس کے معمار۔

۱۲۔ مجموعی ریکارڈ سے نو آموز معلمین کو بہت زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ اگر کسی جماعت میں کوئی نیا استاد آئے تو اسے جماعت کے متعلق اس قسم کی معلومات درکار ہوتی ہیں۔ جن کا جاننا اس کے لئے نہایت ضروری ہے بجائے اس کے کہ وہ جماعت کے اندر جا کر تمام معلومات حاصل کرے اور طلباء کی صلاحیتوں کا از سرنو مشاہدہ کرے۔ اس ریکارڈ سے اسے تمام معلومات بغیر وقت صرف کئے حاصل ہو جاتی ہیں۔

۱۳۔ طلباء کے ایک اسکول سے دوسرے اسکول میں تبادلے کی صورت میں مجموعی ریکارڈ نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے کئی طلباء دوران تعلیم ایک اسکول سے دوسرے اسکول میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

ایسی صورت میں یہ ریکارڈ نہایت ہی مفید ثابت ہوتا ہے ۔ اسکول کے اساتذہ اور منتظمین کو طالب علم کے متعلق سب کوائف تحریری شکل میں مل جاتے ہیں ۔ مدرسین اور نئے طالب علم کے درمیان وہ اجنبیت ختم ہو جاتی ہے جس کے جاننے کے لئے اسے کوشش کرنی پڑے ۔

۱۴ ۔ نئے امتحانی نظام کے تحت تعلیمی سال کے دوران چار سہ ماہی امتحانات لئے جاتے ہیں ۔ اور جائزے کا عمل سارا سال جاری رہتا ہے اس لئے معلمین و طلباء تعلیمی سال کے تمام حصوں کو یکساں اہمیت دیتے ہیں سال کے کسی بھی حصے میں لاپرواہی یا تساہل کا امکان کم ہو جاتا ہے اور سارا سال محنت کرنے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے اور اس کو باقاعدہ ریکارڈ کیا جاتا ہے ۔

۱۵ ۔ امتحان کے دوران بیماری یا کسی دوسرے حادثے کی صورت میں اسکول سے غیر حاضری یا عدم شمولیت کی بناء پر یا حاضری اور شمولیت کے باوجود کسی پریشانی یا الجھن کیوجہ سے موثر کارکردگی نہ دکھانے کی صورت میں طلباء کا سارا سال ضائع ہو جانے سے بچ جاتا ہے ۔ کیونکہ مسلسل جائزے اور دیگر امتحانات طالب علم کے آخری نتیجے میں شامل کئے جاتے ہیں۔ مجموعی ریکارڈ سابقہ تمام معلومات مہیا کرتا ہے ۔

۱۶ ۔ پرائمری مدارس میں افسران معائنہ عموماً" تعلیمی سال کے اختتام پر یا اس کے قریب اسکولوں کا سالانہ معائنہ کرتے ہیں اور طلباء کی اگلی جماعتوں میں ترقی کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں ۔ اس وقت مجموعی ریکارڈ کی اشد ضرورت پڑتی ہے کیونکہ معائنہ کرنے والے افسران کو مجموعی ریکارڈ کی روشنی میں طلباء کی ترقی کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے ۔ افسران معائنہ تمام ریکارڈ کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد آخری گریڈ دیتے ہیں اور ناانصافی کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

اس لئے اسکولوں میں مجموعی ریکارڈ کا رکھنا اور اسے باقاعدگی سے پر کرنا نہایت ضروری ہے ۔

۱۷ ۔ سال میں چار امتحانات لینے اور ان میں معروضی سوالات کی شمولیت سے نصاب کے زیادہ تر حصے کی موثر انداز میں تدریس ہو جاتی ہے ۔ ان امتحانات کے نتائج کو مجموعی ریکارڈ میں درج کیا جاتا ہے ۔ علاوہ ازیں سالانہ امتحان کے قریب بہت زیادہ محنت کرنے یا کروانے کے مضر اثرات کا ازالہ ہوتا ہے ۔

۱۸ ۔ بعد طلباء غریب ہونے کے باوجود بڑے ذہین ہوتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کے لئے ان کو مالی

امداد کی ضرورت پڑتی ہے ۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ طالب علم کسی حد تک کسی وظیفے یا مالی امداد کا مستحق ہے ۔ مجموعی ریکارڈ کا ہونا نہایت ضروری ہے مجموعی ریکارڈ اندراجات کی روشنی میں فیصلہ کرنے میں بہت آسانی ہوتی ہے ۔

۱۹ ۔ پہلے سرٹیفکیٹ اور اسناد میں صرف خارجی امتحانات میں حاصل شدہ نمبروں اور درجوں کا ذکر ہوتا تھا اب اندرونی گریڈوں کا اندراج بھی اس میں ساتھ ساتھ کیا جاتا ہے ۔ گزٹ میں بھی اس کا ذکر ہوتا ہے ۔

۲۰ ۔ اب شخصیت و رویہ کے کالم میں دس صفحات کا ذکر موجود ہے جبکہ پہلے صرف ایک لفظ چال چلن موجود تھا ۔ اب طلباء کی سیرت و کردار کے مختلف پہلو بڑے جامع انداز میں تحریر کئے جاتے ہیں

۲۱ ۔ پہلے طلباء کی پراگرس رپورٹ بک میں طلباء کی اہم نصابی سرگرمیوں کو کوئی خصوصی اہمیت نہیں دی جاتی تھی جبکہ مجموعی ریکارڈ فارموں میں بچے کی کھیلیں ایم ٹی وپی ٹی و جمناسٹک سکاؤٹنگ گرل گائڈ وغیرہ وغیرہ کے علاوہ تخلیقی مشاعل سماجی اور رفاعی کام حسن قرآت کے بارے میں مفصل اندراج ہوتا ہے ۔

TEACHING AIDS

تدریسی امدادی اشیاء

تحریر:۔ محمد مسلم ماہر مضمون

تعریف ۔ تعلیم و تدریس میں ان چیزوں کو تدریسی امدادیں یا اعانتیں کہا جاتا ہے ۔ جو معلم سبق کی تدریسی کے دوران استعمال کرتا ہے ۔ اور جن کے ذریعے وہ اپنے تدریسی کاموں کو سرانجام دیتا ہے تدریسی امدادی اشیاء تدریس کو کامیاب اور موثر بنانے کے بڑے معاون ذرائع ہیں ۔ ان سے نہ صرف تدریس کامیاب ہوتی ہے ۔ بلکہ طلباء کے ذہنوں پر اس کے پائیدار اثرات مرتب ہوتے ہیں ۔

اقسام:۔ تدریسی امدادی اشیاء تین قسموں کی ہوتی ہیں ا۔ بصری امدادی اشیاء
۲ ۔ سمعی امدادی اشیاء ۳۔ بصری و سمعی امدادی اشیاء۔ تعلیم میں ان امدادی اشیاء کو حسب ضرورت استعمال کیا جاتا ہے ۔

تعلیم میں ضرورت و اہمیت:۔

جدید تعلیم میں تدریسی امدادی اشیاء کی بڑی اہمیت ہے ۔ اور تقریباً" ہر سبق میں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے آج ہمارے تعلیم نظام میں طلباء کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ اور اس کے گرد ہمارا تعلیمی نظام گردش کر رہا ہے ۔ کوئی بھی مضمون ہو خواہ وہ آرٹ کا مضمون ہو یا ریاضی یا سائنس کا مضمون ہو ۔ بچہ کی خواہشات اور نفسیاتی تقاضوں کے تحت اس کی تدریس دینی ہو گی۔ وہ دن گئے جب طلباء بے حس و حرکت بیٹھے رہتے تھے اور سارا تعلیمی عمل معلم سرانجام دیتا تھا اب

دونوں کو مل جل کر یہ کام سرانجام دینا ہوتا ہے بلکہ آج طلباء کو زیادہ سے زیادہ عمل و تجربات اور خیالات کے اظہار کے مواقع دیئے جاتے ہیں اور معلم صرف رہنمائی کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ انفرادی تدریس ہو یا جماعتی تدریس یا گروہی تدریس ہو۔ ہر قسم کی تدریس میں طلباء کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جب کوئی عمل طلباء کے نفسیاتی تقاضوں کے بغیر نہیں ہو گا تو یہی کوشش کی جاتی ہے کہ تعلیم و تدریس میں ایسے ذرائع استعمال کئے جائیں جو ان تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں اور ان کی دلچسپیوں اور تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم تدریس میں مختلف تدریسی امدادی اشیاء کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے زریعے نہ صرف تدریس کا عمل موثر بناتے ہیں بلکہ بچوں کی دلچسپیوں اور خواہشات کی تشفی کرتے ہیں تدریس کو موثر بنانے کے لئے تدریسی امدادی اشیاء کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے جدید تدریس کا تقاضا یہ ہے کہ طلباء کو ایسی چیزوں کی مدد سے تعلیم و تدریس دی جائے جس سے ایک طرف تدریس کامیاب ہو اور دوسری طرف بچے بھی خوشی خوشی تعلیم حاصل کریں۔ تدریس میں محض الفاظ موثر نتائج نہیں دے سکتے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ کے ذریعے جس شے کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور اس شے کا دھندلا سا عکس ہوتا ہے جو کبھی بھی ذہن پر پوری طرح اثر نہیں کرتا اور اگر کچھ اثر بھی ہوتا ہے تو وہ عارضی ہوتا ہے جو کسی مشق و تکرار کے بغیر ختم ہو جاتا ہے لہٰذا کوشش اس امر کی کی جائے کہ الفاظ کے بجائے تدریسی امدادی اشیاء کو استعمال کر کے تعلیم دی جائے۔

عالموں نے اندازہ لگایا ہے کہ انسان بیرونی دنیا کا جو علم حواس کے ذریعے حاصل کرتا ہے اس کا دو تہائی سے زیادہ حصہ آنکھوں کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے پھر بھی سنی سنائی بات آنکھوں دیکھے حال کی برابری نہیں کر سکتی کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جو واضح علم اور یقین پیدا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہیں۔

یہ نفسیاتی حقیقت استادوں اور بالخصوص چھوٹے بچوں کے استادوں کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنی چاہئے کئی استاد خود بولتے رہنے کے اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ بچے ان کی باتوں پر کان دھرنا چھوڑ دیتے ہیں اس قسم کے استاد بلاوجہ غوغا آرائی کر کے اپنی توانائی اور بچوں کا وقت ضائع کرتے ہیں اور ان کی بیشتر کوشش بے نتیجہ رہتی ہے۔

صاحب نظر اساتذہ نے ہر زمانے میں لفظوں کی بھرمار سے بچنے کے لئے کوشش کی ہے انہوں نے اپنی باتوں کی وضاحت کے لئے مثالوں اور بصری مواد سے پوری خدمت لی ہے اس چیز کی ایک دلچسپ مثال حدیث کی کتابوں میں درج ہے ۔ دنیا کے سب سے بڑے معلم نبی آخرالزماں صلعم ایک روز صحابہ کے درمیان بیٹھے زندگی کی حقیقت پر روشنی ڈال رہے تھے ۔ اپنے مطلب کو زیادہ واضع کرنے کے لئے حضورؐ نے ایک چھوٹی سی چھڑی لی اور زمین پر ذیل کی شکل بنائی ۔

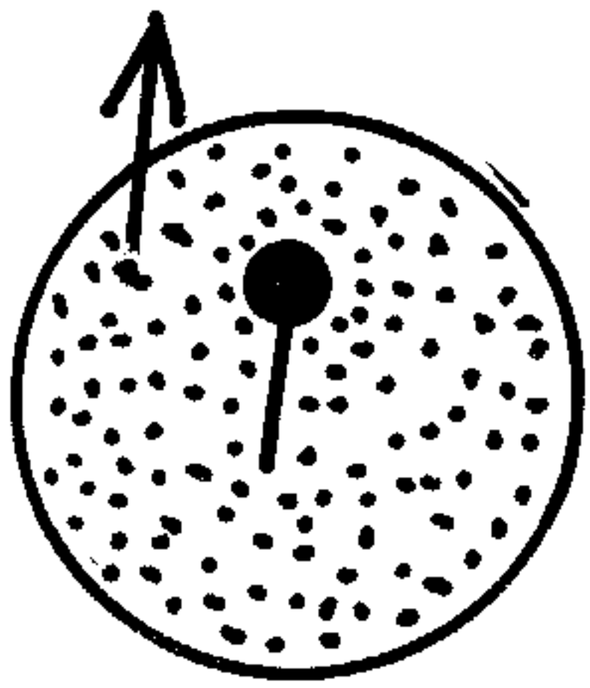

اس شکل کی وضاحت کے لئے حضور نے فرمایا کہ اس دائرہ کے اندر جو سیدھی لکیر کھڑی دکھائی دیتی ہے وہ انسان ہے ۔ دائرہ کے چاروں اطراف موت کے گھیراؤ کو ظاہر کرتے ہیں ۔ اس گھیراؤ سے بچ نکلنے کے لئے کوئی راہ موجود نہیں ۔ انسان کے سر پر چھوٹے چھوٹے نقطے جو چھتری کی طرح چھائے ہوئے ہیں ۔ وہ طرح طرح کی مصیبتیں اور آفتیں ہیں ۔ جو انسان پر آئے دن نازل ہوتی رہتی ہیں جو تیر دائرہ کو چیر کر آگے نکل گیا ہے وہ انسانی آرزوئیں اور خواہشات ہیں ۔ جو موت کی حقیقت کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں اور آگے ہی بھاگی چلی جاتی ہیں۔

ہر اچھے استاد کو اس مثال سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے معلم کامل صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صرف چند مادہ لکیروں کی مدد سے زندگی کے ایک بے حد باریک نقطے کو اس خوبصورتی کے ساتھ کھول کر رکھدیا کہ یہ لفظ ہمیشہ کے لئے صحابہ کے دلوں میں اتر گیا۔

تدریسی امدادی اشیاء تدریس کو حقیقت کے قریب تر لاتی ہیں ۔ جماعت میں بیٹھے ہوئے طلباء دور دراز کے علاقوں کے جنگل پہاڑ سبزہ زاروں کی سیر کرسکتے ہیں اور تعلیم کو خوشگوار شے سمجھ کر اس کے لئے داخلی اور حرکی قوت کا اظہار کرسکتے ہیں ۔ مثلاً جغرافیہ کی تدریس میں حرکی و خاموش تصاویر

کے ذریعے متعدد موضوعات اور جغرافیائی اصطلاحات کا علم بخوبی حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ ماہرین نے تسلیم کیا ہے کہ جو علم مشاہدات اور تجربات کے بل بوتے پر حاصل کیا جائے وہ کتابوں کے علم سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے اس کی جڑیں انسانی ذہن میں محفوظ ہوجاتی ہیں وہ اشکال میں مفید نتائج دیتی ہیں۔

اس سے معلم کو کم محنت کرنا پڑتی ہے ۔ کم بولنا پڑتا ہے ۔ تدریسی امدادی اشیاء طلباء ناممکن چیزوں کو بھی اپنے کانوں اور آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں ۔ ریڈیو کیسٹ ریکارڈ اور ٹیلی ویژن کے ذریعے ان کو اپنی آنکھوں سے چلتا پھرتا اور کام کرتا ہوا دیکھ سکتے ہیں اپنے کانوں سے ان کی آواز لب و لہجہ سنتے ہیں ۔

اسی طرح اگر سائنس کے اسباق کو اگر عمل و تجربات اور مختلف چیزوں کے ذریعے پڑھایا جائے تو وہ بہت ہی کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ سائنس کے مضمون میں جدید موضوعات اس قسم کے ہیں کہ امدادی اشیاء کے بغیر ان کی تدریس نہیں ہو سکتی اور بعض صورتوں میں عمل و تجربات اور دیگر چیزوں کا سہارا لئے بغیر ان کی تدریس ممکن نہیں ہو سکتی ہم طلباء کو فلموں اور چارٹ و تصاویر کی مدد سے چاند پر انسانی عمل کو واضع کر سکتے ہیں کہ وہ کس طرح کا لباس پہنتا ہے ۔ خلا میں سفر کس طرح کرتا ہے اور کس طرح چاند پر قدم رکھتا ہے وہاں اس نے کیا کیا تجربات کئے غرضیکہ خلائی سفر اور چاند پر انسان کی رسائی کے بارے میں جملہ باتوں کا علم فلموں چارٹ اور تصاویر کے ذریعے جماعت کے اندر دے سکتے ہیں ۔

تعلیمی اہمیت

۱۔ آموزش کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ پائیدار ہوتی ہے ۔

۲۔ تعلیم و تدریس خوشگوار شے معلم ہوتی ہے ۔ طلباء اور معلوم دونوں تعلیم میں دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں ۔

۳۔ ان کے ذریعے سبق کے باریک پہلوؤں کی وضاحت کی جا سکتی ہے اور طلباء میں اشیاء کا مکمل شعور پیدا کیا جا سکتا ہے ۔

۴۔ طلباء کے نفسیاتی تقاضوں کی تشفی کرتی ہیں اور ان کی انفرادیت کی نشو و نما میں معاونت کرتی ہے

۵۔ ان کے ذریعے طلباء کی مخفی قوتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔
۶۔ ان کے ذریعے عمل و تجربات کے اسباق بڑی کامیابی سے پڑھائے جا سکتے ہیں۔
۷۔ یہ انفرادی اختلافات کے تقاضوں کی تشفی کرتی ہے۔ ہر دینی میعار کا طالب علم سبق کی تدریس سے واقف ہو جاتا ہے۔
۸۔ ان سے نہ صرف معلم کی عملی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بلکہ طلباء بھی چارٹ' ماڈل نقشے اور تصاویر بنانے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔
۹۔ ان کے استعمال سے پوری جماعت استفادہ کرتی ہے اور جماعت میں تدریسی فضا اور زندگی محسوس ہوتی ہے ان کی وجہ سے نفیس مضمون میں صداقت محسوس ہوتی ہے۔
۱۰۔ ان کے استعمال سے وقت کی بچت ہوتی ہے اور معلم کی محنت و مشقت بھی کم ہوتی ہے خصوصاً" وہ معلمین جو قوت گویائی میں کمزور ہوتے ہیں اور تقریری صلاحیت کم رکھتے ہیں۔ تدریسی اشیاء سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔
۱۱۔ تدریسی امدادی اشیاء بچوں کو معاشرتی حالات اور اقتدار کا واضع فہم دیتی ہے۔ جن کی وجہ سے بچوں میں معاشرتی شعور پیدا ہوتا ہے۔
۱۲۔ ان کے ذریعے بچوں کو اپنے معاشرے کے مسائل سے واقفیت ہوتی ہے اور ان کے حل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
۱۳۔ ان کے توسط سے طلباء کو اپنی ملکی حالات اور ترقی کا علم ہوتا ہے اور اس طرح ان میں جذبہ حب الوطنی پیدا ہوتا ہے۔
۱۴۔ اگر امدادی اشیاء کو عمل و تجربات میں استعمال کریں اور خصوصاً" اجتماعی حیثیت دی جائے تو طلباء میں اتحاد تعاون ہمدردی محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔
۱۵۔ طلباء کو دوسرے ممالک کے حالات اور ترقی کا علم ہوتا ہے ان کے باشندوں کی اچھی عادتیں معلوم ہوتی ہیں ان کے مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی ہے وہ فلموں' ٹیلی ویژن کے ذریعے ان کے دکھ درد' ہنسی خوشی کی داستانیں سنتے اور دیکھتے ہیں۔
۱۶۔ تدریسی امدادی اشیاء میں عملی قوتیں فروغ پاتی ہیں وہ مختلف چیزوں کو بنانے کی طرف راغب

ہوتے ہیں ۔ ان میں ماڈل سازی تصویر کشی مصوری نقاشی اور دیگر نئی چیزیں بنانے کا رجحان پیدا ہوجاتا ہے اور یہی رجحان انہیں پیشہ ورانہ مطابقت دیتا ہے ۔

تدریسی امدادی اشیاء کے استعمال کے اصول

۱۔ تدریسی اشیاء واضح اور دلکش ہوں ۲۔ تعلیمی اور معیاری ہوں ۔
۳۔ مناسب اور برمحل ہوں ۴۔ بتدریج استعمال کی جائیں ۔
۵۔ امدادی اشیاء زیادہ قیمتی نہ ہوں ۶۔ پائیدار اور زیادہ مقصد کی حامل ہوں ۔

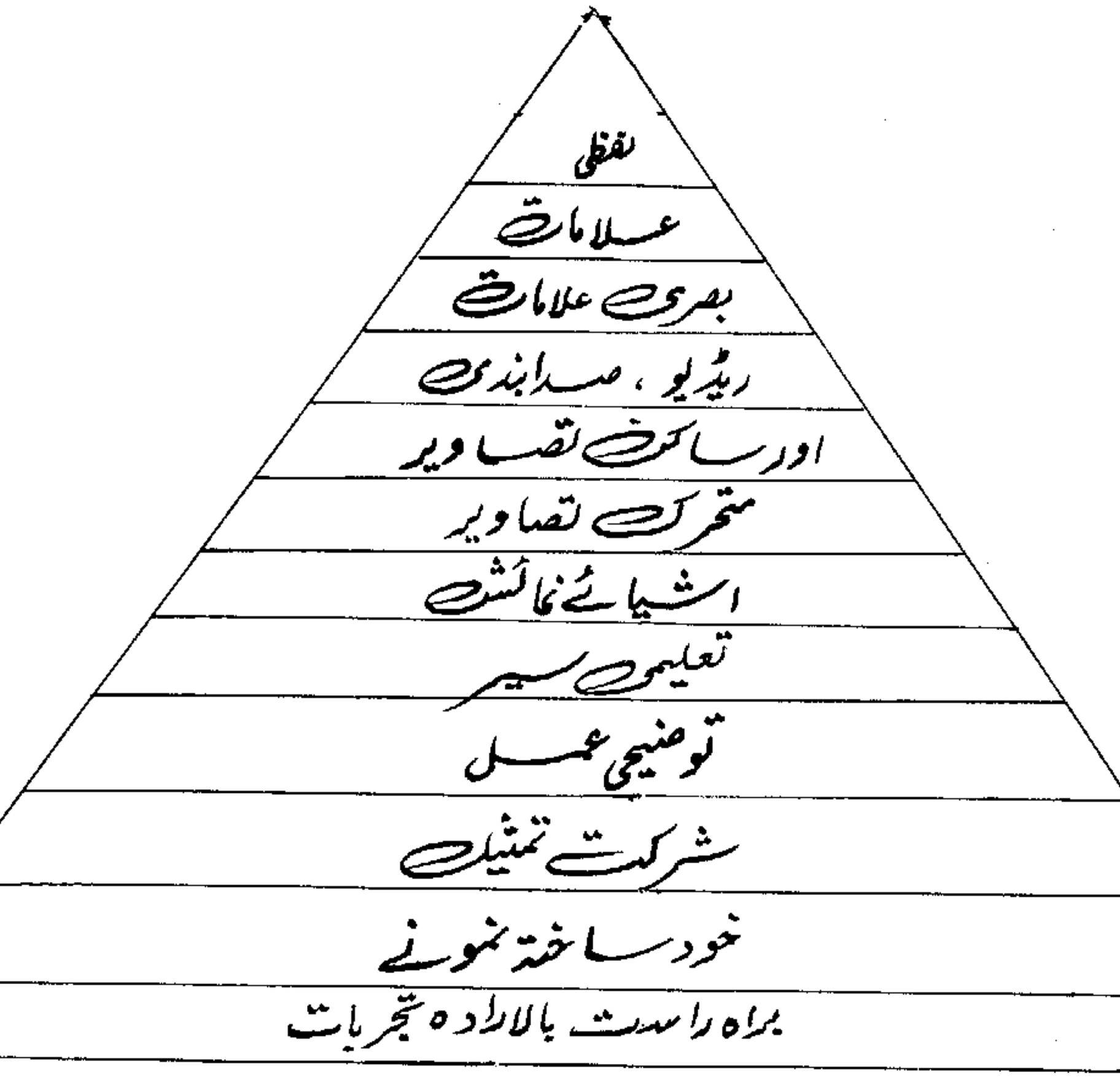

تجربات کی تکون

مسٹر ایڈگر ڈیل نے نئی اور پرانی اعانات کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد مندرجہ بالا خانے میں اکی ترتیب واضح کر دی ہے ۔ اس خاکے کا نام انہوں نے تجربات کی تکون رکھا ہے۔ اس سے

تدریس اور آموزش میں ان کی اہمیت کو افادیت کے اعتبار سے بتدریج دکھایا ہے۔

تدریس سائنس کے معاونات:

تدریس سائنس کو کامیاب اور دلچسپ بنانے کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع عمل میں لائے جائیں گے۔

۱۔ آلات سائنس اور سامان کو فراہم کیا جائے گا۔ جب تک سامان سائنس مکمل نہیں ہو گا تو کوئی طریقہ تعلیم کارگر نہیں ہو سکے گا۔

۲۔ ماہرین سائنس کی تصاویر دکھائی جائیں اور ان کی معلومات کو پیش کر کے طلباء کے ذوق اور شوق کو تازہ کیا جائے۔

۳۔ خاکے، شکلیں اور گراف کے استعمال سے سبق کو دلچسپ بنایا جائے گا۔

۴۔ سکول میں سائنسی عجائب خانہ قائم کیاجائے اس میں طلباء سائنسی اشیاء جمع کر کے مسرت محسوس کریں گے۔

۵۔ سائنسی کلب کا قیام بھی تدریس میں سائنسی دلچسپی کا باعث ہے۔ اس کے اجلاس منعقد کرانا۔ اس میں سائنس کے متعلق تقاریر، مقالے تجربے اور مشاہدے مفید ہو سکتے ہیں نیز فوٹو گرافی فلمیں دکھانا۔ پروجیکٹر کا استعمال کرنا۔ زراعت و باغبانی کے تجربے کر کے دھکانا، سائنسی مشاغل میں بہت ہی مفید ہو سکتی ہے۔

۶۔ سائنسی سیاحت: سائنس کے مضمون کو زیادہ دلچسپ بنانے کے لئے ایسے مقامات کی سیر کرانا بھی نہایت لازمی ہے جہاں سائنس کے کرشمے نظر آئیں۔ مثلاً صنعتی کارخانے بجلی گھر۔ شہر کے پانی کے مرکزی حوض، ریڈیو سٹیشن، ٹی وی سٹیشن، ریلوے ورکشاپ بسوں کی ورکشاپ، ٹیلیفون ایکسچینج، موسمی دفتر رصدگاہ فلم سٹوڈیو، ہسپتال کے مختلف شعبے وغیرہ کے معائنے سے طلباء کے ذہنی سوچ میں بہت بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔

۷۔ سائنسی نمائش:۔ ہر سال ادارے میں ایک سائنسی نمائش کا ہونا نہایت ضروری ہے اس میں سائنس سے متعلقہ اشیاء ماڈل چارٹ اور نقشے بنا کر پیش کئے جائیں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے والوں کو

انعام دے کر حوصلہ افزائی کی جائے۔

ماہرین سائنس کی سوانح عمریاں

سائنس کے کارنامے اور شعبدے دیکھ کر دل میں اشتیاق پیدا ہوتا ہے کہ ماہرین اور ممتاز شخصیتوں کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے۔ مثلاً ارشمیدس ' ارسطو وغیرہ کے حالات زندگی طبیعات ابن ہشیم علم کیمیا کے بانی ماہرین عیان کا حال علاوہ ازیں اور مسلمان ماہرین سائنس کی زندگی کا کارنامے اور ان کے شاگردوں میں سے ممتاز سائنس دان راجر بیکن اور فرانسن بیکن نے سائنس کو خوب فروغ دیا علاوہ ازیں گیلیسلیو ' نیوٹن ' فیریڈے ' ڈلدون وغیرہ۔

۹۔ گراف ' ماڈل کو بھی تدریس سائنس میں استعمال کر کے سبق کو دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ سنیما مشین اور فلم کیمرہ کافی ترقی پر ہے۔ ان کے استعمال سے بچوں میں سائنسی اشیاء کی ماہیت کو سمجھنے اور دلچسپی لینے کا وسیع دائرہ ہے۔

۱۱۔ ریڈیو۔ ٹیپ ریکارڈر کے استعمال سے بچوں میں سائنس کا ایک نیا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ تعلیمی پروگرام نشر ہونے سے بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ بھی ایک بڑی مفید ایجاد ہے۔ جس نے تدریس سائنس میں انقلاب بپا کر دیا ہے۔

۱۲۔ سائنس لائبریری

یوں تو سکول میں لائبریری کا انتظام ہوتا ہے۔ لیکن سائنس کی لائبریری کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے ' اس سے سائنس کی معلومات میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا انتظام سائنس ماسٹر کے پاس ہونا چاہئے اس میں سائنس کی کتب کے علاوہ سائنس کے رسائل اور دیگر سائنسی معلومات کا ذخیرہ ہونا چاہئے۔

۱۳۔ پرانی مشینیں

گھروں میں پرانی چیزیں بیکار پڑی رہتی ہیں مثلاً ناکارہ گھڑیاں بجلی کا ناکارہ سامان۔ شیشے کے ناکارہ برتن۔ ریڈیو کا سامان۔ مشین کے پرزے۔ تدریس سائنس میں ان چیزوں سے بڑی مدد لی جا سکتی ہے۔ ان کو جمع کر کے سائنس روم میں رکھنا چاہئے۔

علامہ اقبالؒ کا نظریہ تعلیم

علامہ اقبالؒ چمنستان ملت اسلامیہ کے ایسے گل سر سید ہیں کہ جن کے کلام کی مہک مدتوں فضائے بسیط میں بکھری رہے گی اس لئے کہ وہ نہ صرف پاکستان کے ذہنی خالق ہیں بلکہ فکر اسلامی کے پاسبان بھی ہیں - ان کے عطر بنیر کلام میں خلوت شام کا نشاط بھی ہے اور جلوت صبح کا سکون بھی' سیاست کی گرم بازاری بھی ہے اور تاریخ وفلسفہ کی نکتہ آفرینی بھی وہ ' زلف ولب و رخسار اور ساغرو مینا کے شاعر نہیں بلکہ خودی کے مبلغ اور عزت نفس کے محافظ ہیں- اور ایسا معاشرہ تعمیر کرنے کے متمنی جس کی بنیاد عشق رسولؐ اور اسوہ حسنہ پر ہو- ان کی آرزو یہی ہے کہ انسان اپنے من میں ڈوب کر اپنا سراغ پانے کی کوشش کرے- تاکہ وہ وفی انفسکم افلا تبصرون کی معنوی تعبیر بروئے کار آسکے اور مقصد تخلیق انسانی کی معجز نمایاں فوز و فلاح کی قندیل جلانے میں ممدو معاون ثابت ہوسکیں- اقبالؒ اسی فلسفہ خودی کے فیوض و برکات سے نئی نسل کے شاہینوں کو جگمگانا چاہتے ہیں ان کے نزدیک وہ تعلیم جو ایک فرد میں اپنا محاسبہ آپ کرنے کی صلاحیت اجاگر نہ کرسکے زہر قاتل سے کم نہیں- یہی وجہ ہے کہ ان کے خیال میں موجودہ تعلیم نے نوجوانوں کے دماغوں کو روشن تو کر دیا ہے مگر انہیں

روحانی بالیدگی عطا نہیں کی - وہ صرف ذخیرہ معلومات سے لدے پھندے دکھائی دیتے ہیں مگر ان میں سطحیت زیادہ ہے گہرائی و گیرائی کا وجود نہیں وہ بحرالعلوم کا روپ دھار لینے کے باوصف حقائق سے نابلد ہیں - اپنے آپ کو بڑی بڑی ڈگریوں سے مزین کرنے کے باوجود ان کا ظرف خالی ہے اور علم کی پیاس سے ان کے ہونٹ خشک ہیں

نوجوانان تشنہ لب خالی ایاغ
ست رو ' تاریک جاں روشن دماغ

اقبالؒ کو نوجوانوں کی حالت زار پر سب سے بڑا دکھ یہی ہے کہ وہ خود آگاہ نہیں اور نہ انہیں اپنی خودی کا شعور ہے وہ جانتے ہی نہیں کہ اس خاک میں ذوق تجلی بھی پنہاں ہے وہ اس تجلی سے تہی دامن ہیں- اور اگر ان کے ہاں کسی تجلی کا وجود ہے تو وہ فرنگ کی تجلی ہے-

تیرا وجود ہے سراپا تجلی فرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زر نگاروبے شمشیر

اقبال کے نزدیک وہ نوجوان جو اپنے آپ کو پہچانتا نہیں اور شعور خودی سے خالی ہے وہ ایک چلتی پھرتی لاش ہے وہ زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہے-

گرچہ مکتب کا جوان زندہ نظر آتا ہے
مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس

اقبال کے نزدیک نوجوان کی اس حالت کا سبب وہ تعلیم ہے جو سوزو مستی اور جذب و شوق کے کیف آور اور سرور آمیز نغموں سے خالی ہے اور صرف سود و سودا اور مکروفن سے عبارت ہے - اس پر صرف مغرب کی چھاپ لگی ہوئی ہے- چنانچہ حضرت اقبال ان اساتذہ کو ہدف تنقید بناتے ہیں جن کا وجود بھی پرایا ہے اور طریقہ تعلیم بھی لاالہ کے جوہر سے خالی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اپنا تشخص کھو بیٹھے ہیں-

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا

وہ مدرسہ و خانقاہ سے اس لئے نمناک اٹھ جاتے ہیں کہ انہیں وہاں محبت اور معرفت و نگاہ کا کوئی سوتا پھوٹتا نظر نہیں آتا

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرف نہ نگاہ

وہ ان مدارس کو مقتل تصور کرتے ہیں جہاں شاہین زادوں کی حقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی بجائے انہیں مغرب کی ذہنی غلامی کا شکار کر دیا جاتا ہے - اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی بجائے دوسروں کی عینک سے دیکھنے میں فخر محسوس کرنے لگتے ہیں۔

ازاں از مکتب یاراں گریزم
جوانے خود نگہ دارے نہ دارد

یہ علم جو ان مغرب زدہ مدارس کا طغرائے امتیاز ہے صرف کسب کا رہین منت ہے - چنانچہ اعلی مقاصد کا حصول ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ اونچی اونچی ڈگریاں لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے والے طلباء اپنے سرمایہ علم و دانش پر نازاں تو ضرور ہوتے ہیں مگر خود شناسی و خود نگری کی گراں مایہ متاغ ان کے ہاں عنقاء ہوتی ہے۔ اسی سبب سے ایسے نوجوان حکیم الامت کی بھرپور طنز کا نشانہ بنتے ہیں - مگر ایسے نہیں کہ ان کے زخموں پر نمک پاشی ہو بلکہ ایسا ناصحانہ و مشفقانہ انداز اختیار فرماتے ہیں کہ ان کے زخم مندمل ہونے لگیں اور وہ جان لیں کہ نان شبینہ کے حصول کی خاطر کسی کی دہلیز پر سر جھکانا اچھا نہیں۔ علامہ مرحوم کی نظر میں حصول معاش کی بے ہنگم دوڑ ہی نے نوجوانوں کی روح کو زنگ آلود کیا ہے اور جوہر خودی سے محروم ہو کر صرف کتاب خواں ہی بن سکتے ہیں صاحب کتاب نہیں بننے پاتے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ
کہ تو کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اقبال اساتذہ کی عظمت و رفعت کے قائل ضرور ہیں مگر ایسے اساتذہ کو جن کی باتوں میں گلوں

کی خوشبو ہو اور ان کی نگاہ تازیانے کی حیثیت رکھتی ہو۔ انہیں افسوس اس بات کا ہے کہ درسگاہیں اہل نظر اساتذہ سے خالی ہوچکی ہیں۔

خالی ان سے ہوا دبستان
تھی جن کی نگاہ تازیانہ

غلامہ اقبال انہی اساتذہ کو قابل احترام سمجھتے ہیں جو سخن دلنواز سے آراستہ نگہ بلند سے مزین اور فکر و نظر کی صحت و سلامتی سے لیس ہوں ۔ کیونکہ اسی صورت میں وہ شاگرد کے سینہ صافی کو متلاطم کر دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو بات جویائے علم میں اس نظر سے پیدا ہوجاتی ہے وہ سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔

صد کتاب آموزی از اہل نظر
خوش تر آں گیری کہ در سے از نظر

اس سلسلہ میں علامہ مرحوم فرماتے ہیں

مکتب از مکتوب خود آگاہ نیست
تابہ جذب اندرونش رہ نیست

علامہ مرحوم کے نزدیک تعلیم و تربیت لازم و ملزوم ہیں۔ مگر تربیت پندو موعظت کے دفتر کھول دینے سے کم اور صحبت سے زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ نوجوانوں کو نہ تو حقیقی تعلیم میسر ہے اور نہ صحبت صالح ۔ چنانچہ زاغوں کے تصرف نے انہیں عقابی ہی نہیں بننے دیا دیا بلکہ پرواز لولا کی سے محروم کر رکھا ہے۔

تیرا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تیری پرواز لولاکی نہیں ہے

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تیری آنکھوں میں بیبا کی نہیں ہے

عصر حاضر کے دانشکدوں میں تعلیم پانے والے نوجوان رعنائی افکار سے بھی محروم ہیں اور ان میں لذت اسرار بھی ناپید ہے۔ مغربی تعلیم نے انہیں ایسے سانچے میں ڈھالا ہے کہ نہ وہ اپنے رہے ہیں اور نہ بیگانے۔

نہ ادائے کافرانہ ' نہ تراش آذرانہ

علامہ اقبال اپنے نوجوانوں کو مغربی افکار سے مرغوب دیکھ کر خون کے آنسو روتے ہیں اس لئے کہ مغرب نے انہیں ان کی انفرادیت سے دور کر دیا ہے اور انہیں تن آسان بنا دیا ہے۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

علامہ مرحوم کے خیال میں اس تعلیم نے ملت اسلامیہ کے شاہین صفت نوجوانوں کو مردان کار بنانے کی بجائے مردان بیمار بنا دیا ہے۔ ان میں نزاکت و ملاحت اور تخنث و نسائیت تو موجود ہے مگر جواہر مردانگی مفقود ہیں۔ وہ بانکے ' سجیلے اور صباحت پسند تو ہیں مگر جہدو کوشش اور تگ و تاز کی عظیم دولت سے محروم ہیں اس لئے وہ نوجوانوں کے حق میں دعا کرتے ہیں۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

انہیں ان نوجوانوں سے محبت ہے جن کا دامن جہد مسلسل سے سجا ہوا ہے اور جو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا راسخ عزم رکھتے ہیں۔

علامہ مرحوم بڑی دردمندی اور دل سوزی سے بارگاہ رب العزت میں یوں دست بدعا ہوتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال وپر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نوربصیرت عام کر دے

تعلیم تربیت

تحریر = ماسٹر مسکین علی سرائے صالح

جس طرح فلاحی معاشرے کے قیام کے بغیر فلاحی مملکت کا قیام نا ممکن ہے۔ اسی طرح فلاح یافتہ افراد کے بغیر فلاحی معاشرے کا وجود بعید از قیاس ہے۔ فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے لئے افراد معاشرہ محتاج تربیت قرار پائے اور ان کی تربیت کا بہترین زمانہ زمانہ طفولیت ہے کیونکہ اس وقت یہ نازک شاخوں کی صورت میں ہوتے ہیں اور انہیں جس طرف موڑنا چاہیں باآسانی مڑ سکتے ہیں اسی لئے زمانہ طفولیت کو تعلیم و تربیت کا بہترین زمانہ تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ عادات کی پختگی کے بعد اوصاف کی پختگی کا دور آتا ہے اور عادات کی پختگی ناقابل اصلاح بن جایا کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں حقوق العباد اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ **خیر الناس من ینفع الناس** اور **خیرالاشغال تربیتہ الاطفال** اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اطفال کے اذہان چونکہ سادہ تختی کی مانند صاف شفاف ہوتے ہیں اس لئے ان پر بننے والے ابتدائی نقوش "نقوش فی الحجر" بن جایا کرتے ہیں اسی لئے نونہالان چمن کو اس عمر میں سوئے مکتب رواں کیا جاتا ہے تاکہ وہ اخلاص' اخوت و مساوات' فراخدلی و رواداری' ایثار و تعاون' حق گوئی و بیباکی کی صفات سے متصف ہو کر احسن تقویم کے مراتب جلیلہ پر فائز ہو سکیں اور جوان ہو کر مخلص' محب الوطن' مقدیں' محقق' مبصر' متقی' مفکر' مدبر' ایثار پیشہ' مساوات پسند' عدل پرست' انصاف جو' خوش اخلاق و خوش خو بن کر معاشرے میں پائی جانے والی خرابیوں کا قلع قمع کر سکیں اور فلاحی معاشرہ کی تشکیل میں اپنا کردار ادا

کر سکیں۔ اقوام کی تقدیر چونکہ افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اسی لئے فرد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی زور دیا جاتا ہے تاکہ صالح اجتماعی زندگی کا قیام عمل میں آسکے بچہ معاشرہ کا نہ صرف بنیادی رکن ہے بلکہ معاشرہ کی بیخ و بن بھی ہے اس کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتنا قوم کی نیا ڈبونے کے مترادف ہے۔ صرف تعلیم ہی وہ موثر ترین ذریعہ ہے جو انسان کو ترقی و خوشحالی سے ہمکنار کرتا ہے۔ انسان کو خوب سے خوب تر اور خوش سے خوش تر بناتا ہے۔ تعلیم انسان کو زندگی کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتی ہے ان کی ستر کشائی کرتی ہے راہ راست کے تعین میں ممدو معاون ثابت ہوتی ہے یہی وہ طاقت ہے جو سنگلاخ چٹانوں کا سینہ چیرنے پر ابھارتی ہے' سمندر کی تہہ سے موتی نکال لانے کا یارا بخشتی ہے' شیروں سے پنجہ آزمائی کے قابل بناتی ہے خطرات و حوادث سے دو دو ہاتھ کرنے پر اکساتی ہے اور کنجشک فرد مایہ کو عقاب سے لڑاتی ہے یہی وہ خوبی ہے جو وحوش کو رام کرنے اور بیگانوں کو یگانہ بنانے کے ہنر سکھاتی ہے۔ بچہ خار زار حیات کا وہ حساس پھول ہے جو زندگی کے حقائق سے نابلد و نا آشنا اور معصوم و نازک ہوتا ہے۔ آگے چل کر اسی نے تزئین انجمن کرنی ہے۔ اسی نے شمع محفل' باعث رشک چمن اور منتظم گلشن بننا ہے اس لئے یہ غنچہ خصوصی توجہ کا مستحق گردانا جاتا ہے تاکہ موسم بہار میں جب اس پہ نکھار آئے تو یہ اپنی نگہت و نزہت طراوت و دلکشی' جاذبیت و حسن اور رنگ و بو سے خارزار حیات کی تلخیوں کو گھٹا کر محروم و مایوس اہالیان چمن کو مژدہ جانفزا سنا کر چمن کی دلکشی و حسن میں چار چاند لگا کر اپنے گل سرسبد ہونے کا ثبوت فراہم کر سکے اور اسی خارزار کو گلزار بنا کر دکھی انسانیت کے زخموں پر پھایہ رکھ سکے اور قلوب پژمردہ کو مسرت و تسکین فراہم کر سکیں۔

تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے اس لئے اس کی ابجد یہ ہے کہ تعلیم اس انداز میں دی جائے جو اسے اپنے گھر میں اجنبی نہ بنائے۔ بلکہ اس کا تعلق اس کے ماحول' ملک و قوم اور تمدن کو مضبوط ترین بنانے میں ممدو معاون ثابت ہو۔ چونکہ ہر بچہ جسمانی بڑھوتری' جسمانی نشوونما ذہنی ارتقاء اور معاشرتی ترقی کی رفتار میں دوسرے بچوں سے مختلف ہوتا ہے' ان کے گھروں کے ماحول مختلف ہوتے ہیں۔ وہ مختلف سماجی معاشرتی اور معاشی پس منظر سے آتے ہیں اس لئے انہیں اندھے کی لاٹھی سے ہانکنا تعلیم و تدریس سے نفرت پیدا کرنے کے زمرے میں آئے گا۔ معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ

علم و تجربہ کی دولت سے مالامال ہو' کیونکہ جب تک اس کا علم اور تجربہ صحیح نہ ہو گا اس کی تعلیمی کاوشیں کارگر ثابت نہ ہوں گی۔ اسے بچے کی نفسیات اور اس کے ذہنی پس منظر سے بخوبی واقف ہونا چاہئے۔ تعلیمی کام کے لئے اس میں ایک تڑپ اور ولولہ پایا جانا چاہئے اور اسے یقین و اعتماد کی دولت سے مالا مال اور جذبہ تبلیغ سے سرشار ہونا چاہئے کیونکہ حضورؐ کا فرمان ہے **"بلغو عنی ولو کان ایتہ"** علم ایک مقدس امانت ہے اور اسے اس کے اہل افراد تک پہنچانا امانت دار کا فرض ہے۔ اہل بصیرت اسی بناء پر عابد و زاہد پر عالم کو ترجیح دیتے ہیں کہ زاہد صرف اپنے دامن کو آلودگیوں و کثافتوں سے بچانے کے لئے سمیٹتا رہتا ہے اور اسی تگ و دو و کشمکش میں اس کی زیست ختم ہو جاتی ہے جبکہ عالم بحر عصیاں میں ڈبکیاں کھانے والے کو پکڑ کر باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے چونکہ موخرالذکر کے دل میں جذبہ ہمدردی موجزن ہوتا ہے اسی لئے وہ ہر غریق کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے جبکہ اول الذکر کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ علم کا اس کے مستحقین تک پہنچانا انبیاء کی نسبت ہے تاکہ کوئی بھی انسان اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ یہ کام اگر مشنری جذبے کے تحت خلوص نیت اور صدق دل سے کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوں مگر اس کے لئے سوزو ساز اور تب و تاب کے ساتھ ساتھ تواضع اور گداز از بس لازمی ہے۔ بات وہی اثر کرتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ جب تک مدرس جذبہ تبلیغ سے سرشار نہ ہو گا وہ قطعی طور پر کسی قسم کا انقلاب نہیں لا سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مدرس اسلامی فلسفہ حیات سے گہری واقفیت رکھتا ہو' نہ صرف واقفیت رکھتا ہو بلکہ اس پر پورا پورا ایمان بھی رکھتا ہو اور وہ زندگی کی تمام شعبوں میں اس فلسفہ حیات کا اطلاق کرنا بھی جانتا ہو اسے اسلامی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ اور پیکر عمل ہونا چاہئے۔ اس کی فعالیت و حرکت ہی طلبہ کے جمود و سکوت کو توڑ سکتی ہے ورنہ یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا ہمارے دانشوروں نے سمجھ رکھا ہے۔ جب اس کا دل حب الٰہی سے معمور ہو گا تو وہ مخلوق خدا کا سچا مونس و غمخوار بنے گا اور جب افراد کے درمیان ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گا تو ان کی دلچسپیاں اور پسندیدگی آپس میں ہم آہنگ ہوں گی پھر جب دلچسپی و پسندیدگی میں اشتراک ہو گا تو دلوں کی دھڑکن ایک ہو گی اور پھر اختلاف ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔ ماہرین کے نزدیک مشترکہ دلچسپیوں سے جو پسندیدگی یا مفاہمت پیدا ہوتی ہے اسے ہمدردی کا نام دیا جانا عین انصاف ہے لیکن ایک بات یاد رہے

کہ جن سچائیوں کا درس نئی نسل کو دینا مقصود ہو بڑی نسل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان کی عملی تصویر ہو اور ان سچائیوں پر کاربند ہو۔ یاد رکھئے کہ جو نظریہ اساتذہ کی زبانوں پر ہو مگر بالغ مردوں اور عورتوں کے طرزِ عمل میں نہ ہو۔ وہ نئی نسل کے دلوں تک کبھی رسائی نہیں کر سکتا۔ خواہ اساتذہ صبح سے شام تک اسی کا درس دیتے رہیں۔ تعلیم کا عمل اور بالخصوص اس کا وہ حصہ جو تعمیر کردار سے تعلق رکھتا ہے۔ سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں کی چار دیواری میں پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اس عمل پر تین عناصر کو مشترک گرفت حاصل ہے اول معاشرہ' دوم استاد کی شخصیت اور سوم کتاب اور اس کے مشمولات۔ اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کتاب محض کاغذ پر چھپی ہوئی تحریر کا نام نہیں۔ کتاب زندگی کے حقائق کو سامنے لانے' جاننے اور اس جانکاری کو دوسروں تک پہنچانے کا نام ہے تاکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ اس میں مزید گہرائی پیدا ہو' کتاب علم کی حفاظت' ترسیل اور توسیع کا نام ہے۔ کتاب وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے پہلی نسلوں کی محنت و کاوش' دانش و بینش اور حکمت و بصیرت دوسری نسلوں تک پہنچتی رہے اور نسلاً" بعد نسل منتقل ہوتی رہے تاکہ وہ اس کے آئینے میں اپنے ماضی کو دیکھ کر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔ باالفاظ دیگر کتاب لکھنے کا عمل دراصل زندگی سمجھنے اور سنوارنے کا عمل ہے اور جب یہ عمل رک جاتا ہے تو درحقیقت زندگی کا عمل رک جاتا ہے۔ محض کتاب کے ذریعے تبدیلی کسی بھی صورت میں ممکن نہیں۔ بے جان الفاظ اسی وقت تحریک پیدا کرتے ہیں جب ان کے پس پردہ زندہ و درخشندہ جذبات و روایات موجود ہوں بصورت دیگر تمام کاوشیں رائیگاں چلی جائیں گی۔ بددیانت اور خود غرض معاشرہ کو صرف کتابوں کے ذریعے انصاف پسند اور ایثار پیشہ نہیں بنایا جا سکتا خواہ اس کے لئے آپ ساتویں آسمان سے ہی کتابیں چھپوا کر کیوں نہ لائیں۔ کسی برائی کی محض برائی کہہ دینا اس کے خاتمہ میں کوئی مدد نہیں دیتا جب تک ان کی معاشرتی اور نفسیاتی وجوہ کا ایک سچا تجزیہ اور ان کی بیخ کنی کا ایک قابل عمل طریق کار پیش نہ کرے۔ اس کام کے لئے معلم کی ضرورت پیش آتی ہے جو اپنے پیشے سے شفقت رکھتا ہو۔ اپنے کام میں مخلص ہو اور اپنے مرتبہ سے آگاہ ہو۔ آج ہماری ناکامی کی سب سے بڑی وجہ استاد کا فقدان ہے۔ استاد خود اپنے مرتبہ سے آگاہ نہیں۔ اسی لئے وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کی بھیک مانگتا پھرتا ہے جبکہ مقام مانگنے کی چیز ہرگز نہیں بلکہ اپنی قوت بازو سے حاصل کرنے کی چیز ہے۔ مقام کے

حصول کے لئے محنت' تکلیف اور ایثار کرنا پڑتا ہے۔ اسے دیا نہیں جاتا بلکہ حاصل کیا جاتا ہے۔ حق اور مرتبہ مانگنے والے عمر بھر انہی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں مگر ہزار منت کے باوجود گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ معلم کو ملازم سمجھنے والی اقوام عمر بھر ترقی نہیں کر سکتیں۔ کسی کی سفارش پر بھرتی کئے جانے والے فرد کو استاد کا نام دینا استاد کی توہین ہے۔ جو شخص دو وقت کی روٹی کے لئے اپنی خودی کا سودا چکا کر دامن پھیلا کر ملازمت کی بھیک مانگنے سے نہیں چوکتا اس سے "درس خودی" کا تقاضا چہ معنی؟ جب استاد مجروں' بالاخانوں' بیٹھکوں' چوپایوں' اور ایوانوں میں بننے لگیں تو پھر تعلیمی تنزلی اور انحطاط کا رونا سوائے نفاق کے کچھ بھی نہیں۔ استاد تو قوم کا دماغ ہوتا ہے جو قوم کو نئی سوچیں عطا کرتا ہے' قسمت نوع بشر تشکیل کرتا ہے اور ملکی وسائل کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنانے کی سعی کرتا ہے۔ بھرتی کے استاد کو اس سے کیا کہ گاؤ آمد' خر رفت' وجہ یہ کہ اس دنیا کی زندگی عالم ارواح کی زندگی نہیں بلکہ یہ عالم اسباب و عالم محسوسات ہے جس کی ترکیب میں مادہ و روح دونوں کا ہاتھ ہے۔ مادی قوت کے حصول نے ذہن انسانی کو منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔ زر نے آنکھوں کو خیرہ کر کے رکھ دیا ہے اور سبھی دختر زر کے شیدائی بن چکے ہیں۔ ایسے میں اعلائے کلمتہ الحق کا فریضہ کون انجام دے اور اگر کوئی فاقہ مست ایسا کرنے کی جسارت کرے بھی نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے اس یاس و محرومی نے ہمیں مصلحت پسند بنا دیا ہے جو کہ قوم کے مفاد میں ہرگز نہیں۔ اچھی تدریس کے لئے تو صرف ڈگری ہی کافی نہیں بلکہ حامل ڈگری کی فعالیت و حرکت شرط ہے کیونکہ حصول علم اور انتقال علم دو الگ الگ صفات ہیں جن کا یکجا اجتماع ضروری نہیں۔ اچھی تدریس کی شرط اول یہ ہے کہ مدرس مطمئن ہو' آزاد و خود مختار ہو اور اس کی عزت نفس محفوظ ہو۔ تعلیم محض کتابیں پڑھانے' کلئے رٹانے' قواعد زبانی سکھانے' انشاپردازی کرانے اور سوالات حل کرانے کا نام نہیں بلکہ تعلیم تو ایک تخلیقی عمل ہے جس میں معلم کی شخصیت' اس کا وقار' اس کی علمیت اس کی اہلیت و قابلیت اور اپنے پیشے سے شغف' مرکزی اہمیت رکھتا ہے جب اسے یہ احساس دلایا جانے لگے کہ وہ تو محض ایک ملازم ہے اور اسے اپنے سے کم تعلیم یافتہ حضرات کے احکامات کی روشنی میں کتاب زندگی کی ورق گردانی و تشریح کرنی ہے تو وہ بظاہر اچھا بھلا انسان نظر آئے گا لیکن اس کی حیثیت ایک بے جان مشین کی سی ہو گی۔ جو دوسروں کے اشاروں کی منتظر رہتی ہے اس کی نہ تو اپنی کوئی سوچ ہوتی ہے نہ

ہی فکر۔ ایسی کل طلبہ میں حرکت کس طرح پیدا کرے گی تدریس کا عمل تو عزت نفس اور ایک خاص احساس وقار یا احساس تفاخر کے بغیر ممکن ہی نہیں اور وہ احساس تفاخر وہی ہے جس کے پیش نظر سرور کائنات کو امی کہنا تو گوارا کیا مگر زانوے تلمذتہ کرنا ناگوار گزرا۔ طلب صادق اور سوز درونی کے بغیر کیا جانے والا کام درجہ عروج تک نہیں پہنچ پاتا۔ معاوضہ کے بدلے میں کیا جانے والا کام خلوص کے جذبہ سے خالی ہوتا ہے۔ عشق صادق حرکت ریاء' اخلاق عمل اور جذبہ خدمت کے بغیر فن ادھورے کا ادھورا ہی رہتا ہے۔ تیزو تند آندھیوں میں روشن کئے جانے والے چراغوں میں خون جگر شامل کرنا پڑتا ہے تاکہ ان کی لو برقرار رہے۔ عظیم کاموں کے لئے عظیم لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی بارے میں شاید کہا جاتا ہے کہ "وہ تمام لوگ جنہیں خدا نے عظیم اور اہم کاموں اور دینی مسائل حل کرنے کے لئے تخلیق کیا ہے۔ وہ لوگ تھے جو صدق دل سے قوم و ملک کے خادم اور محب تھے اور اخلاق کے استحکام اور ترقی کے خواہش مند تھے۔

؎ صنم خود کو جلا کر دیکھو تو پتہ چلے
کیسے چراغ جلتا ہے محفل میں رات بھر

ہمارے

تحریر: عبدالقدیر بجئی

پرائیویٹ پبلک سکول

ہماری حکومت نے دوسری کئی باتوں کے علاوہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو ملحوظ رکھ کر ہی پرائیویٹ سکولوں کے کھولنے کی حوصلہ افزائی کی۔ ہر سال دھڑا دھڑ بہت سے نئے سرکاری سکول کھلتے رہتے ہیں۔ مگر آبادی اتنی سرعت سے بڑھ رہی ہے کہ سرکاری سکولوں کی تمام تعداد روز افزوں آبادی کے بچوں کی تدریسی کفالت نہیں کر سکتی۔ حکومت اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ تعلیم کے شعبے کے لئے مختص کرتی رہتی ہے تاکہ تعلیمی اداروں کی تعمیر و مرمت سازوسامان کی خریداری اور سٹاف کی تنخواہوں کی فراہمی وغیرہ جیسے اخراجات چلائے جا سکیں۔ مگر جس رفتار سے آبادی بڑھ رہی ہے اس رفتار سے نئے سرکاری سکولوں کا قائم کرنا اور ان کے اخراجات پورے کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا حکومت نے پرائیویٹ سکول کھولنے کی اجازت دی۔ ان نجی سکولوں کے کھولنے کی اجازت اس مقصد کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے دی گئی کہ زیادہ سے زیادہ افراد تعلیم یافتہ ہو سکیں۔ ہماری پہلے سے موجود آبادی کا بھی ایک بڑا حصہ ابھی تک ناخواندہ ہے۔ پھر بہت سی نئی روحیں جو اس دھرتی پر آنکھ کھولتی ہیں وہ بھی ماں کے پیٹ سے بے تعلیم آتی ہیں۔ ان تمام کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا حکومت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

پرائیویٹ سکولوں کے کھولنے کی سرکاری حوصلہ افزائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ عرصے سے اتنے زیادہ پبلک سکول کھل چکے ہیں کہ ہر تیسری گلی میں ایک سکول قائم ہونے لگا ہے۔ ان میں سے کچھ سکول تو حد سے زیادہ فیسیں اور دیگر طرح طرح کے واجبات وصول کر رہے ہیں۔ ان نجی مدارس

کے باہر "پبلک" یا "ماڈل" یا "انگلش میڈیم" جیسے' الفاظ لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں- جب ایک طرف حکومت کے اعلان کے مطابق اردو گو آئندہ ذریعہ تعلیم بننا ہے اور دوسری طرف کثیر تعداد میں انگلش میڈیم سکول قائم ہو رہے ہیں تو کیا یہ ایک تضاد سا پیدا نہیں ہو رہا ہے- جب قومی سطح پر انگریزی کی بجائے قومی زبان اردو کی ترویج مقصود ہو تو پھر اردو میڈیم کی بجائے انگلش میڈیم سکولوں کی فراوانی کا کیا جواز ہے؟

صدہا سال کی مروج برطانوی سامراج کی زبان کی جگہ پر قومی زبان اردو کو جاگزیں کرنے میں وقت کی طوالت' تضادات' تذبذب اور دقتیں وغیرہ تو ظہور پذیر ہوں گی ہی- ویسے انگلش میڈیم سکول کھولنے والے ماہرین نفسیات یا نباض معلوم ہوتے ہیں- کیونکہ وہ لوگوں کے مخصوص طبقے کی پسند پر نظر رکھتے ہیں- ہمارے کھاتے پیتے گھرانے' گھر کے ڈیپ فریزر اور وی سی آر جیسے فیشن پیسز (*Fashion Pieces*) کی طرح اپنے بچوں کو کسی زیادہ فیس والے انگلش میڈیم سکول میں داخل کروانے کو بھی ایک فیشن پیس سمجھتے ہیں- ایسے طبقے کا رجحان یہ ہے کہ ایسی چیز خریدی جائے جس کی قیمت اونچی ہو-

؎ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

خواہ حقیقت میں وہ چیز معیاری نہ ہو- وہ خیال کرتے ہیں کہ انگریزی نجی مدارس جو بھاری واجبات وصول کرتے ہیں ان کا تعلیمی معیار بلند ہے- یہ مدارس ایسے طبع کی نفسیاتی چاہت سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی تجوریاں بھر لیتے ہیں چنانچہ آج کل تمام قسم کے کاروبار میں سے جو بہت زیادہ منفعت بخش چند کاروبار ہیں انگریزی پبلک سکول کھولنے کا کاروبار ان میں سے ایک شمار کیا جانے لگا ہے-

معیار تعلیم اس طریق کار سے بلند نہیں ہوتا کہ انگلش بغیر مطلب بتائے بچوں سے پڑھوائی جائے یا رٹوائی جائے بلکہ معیار یوں بلند ہوتا ہے کہ ہر انگریزی لفظ اور جملے کا مفہوم بتایا جائے اور ان کے ذہن نشین کرایا جائے- راقم نے مثلاً دوسری یا تیسری انگلش میڈیم جماعت کے بچوں کو سائنس کی کتاب سے فقرے بلا مفہوم جانے رٹتے ہوئے دیکھا' اس سے وقت اور توانائیوں کا ضیاع ہوتا ہے-

راقم نے یہ بھی نوٹ کیا کہ نچلی سطح کی ایک کتاب کے انگریزی جملوں اور عبارت میں یکساں دقت پائی جاتی ہے۔ بعض حصے ان کتابوں کے اتنے مشکل ہوتے ہیں کہ ایک اناڑی استاد یا استانی خود بھی اچھی طرح نہیں سمجھ پاتے اور اگر بعض اساتذہ اسے سمجھ سکتے ہیں تو وہ آسان زبان میں ڈھال کر کاپیوں میں لکھوانے کی یا تو قابلیت نہیں رکھتے یا پھر ایسا کرنے کی عمداً زحمت نہیں کرتے اور تن آسانی برتتے ہوئے ہو بہو ان ثقیل و طویل عبارتوں کا رٹا لگواتے ہیں۔

راقم انگریزی کی تدریس براہ راست طریقے سے انجام دینے کے قائل نہیں بلکہ پاکستانی بچوں کو جو انگریز زادے نہیں ٹرانسلیشن میتھڈ (ترجمے کے طریقے) سے سکھانے کو سود مند سمجھتا ہے۔ بہت سے پاکستانی جنہوں نے ٹرانسلیشن میتھڈ ہی سے انگریزی پڑھی سیکھی بڑی بڑی کلیدی اسامیوں پر کامیابی سے عہدہ برآ ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

انگریزی ایک طرح کی بین الاقوامی زبان ہے۔ اعلیٰ طب اور انجینئرنگ وغیرہ میں نت نئی معلومات انگلش میڈیم ہی سے ہمیں ملتی ہیں۔ انگریزی زبان مضر نہیں۔ ہمارے ہاں جو طلبہ مثلاً فزکس اور کیمسٹری اردو میں پڑھتے سیکھتے ہیں وہ ایف ایس سی میں پہنچ کر خاصی دقت محسوس کرتے ہیں ہاں یہ جو اردو اصطلاحات کے ساتھ مترادف انگریزی اصطلاحات اور نام میٹرک وغیرہ کی کتابوں میں لکھ دیے گئے ہیں اس سے دشواری کم رہ جاتی ہے۔ اس تمام گورکھ دھندے کا حل راقم کے ذہن میں یہی ہے کہ انگلش میڈیم سکول انگلش میں سکھانے کے ساتھ اردو میں بھی وہی کچھ سمجھائیں اور یہ سلسلہ پہلی جماعت سے شروع ہونا چاہئے اور اردو میڈیم سکول کیمیا اور طبعیات اردو میں سکھانے کے ساتھ ساتھ مترادف انگریزی اصطلاحات اور نام وغیرہ بھی ذہن نشین کرائیں۔

اسلامی تناظر میں

خواتین کی تعلیم

اور جداگانہ نصابیات کا مسئلہ

جمال خاتون ایم اے (اسلامیات- اردو) ایم- ایڈ
انسٹرکٹر ایلیمنٹری کالج (زنانہ) گوہاٹ

پاکستان کے قیام کا مقصد ہی یہ تھا کہ یہاں قرآن و سنت کی بالادستی زندگی کے ہر شعبے میں عملاً" قائم ہو جائے اور دنیا دیکھ لے کہ انسانیت کی دنیوی اور اخروی فلاح کا راز کیا ہے- اس مقصد کے پیش نظر ہمارا نظام تعلیم اور خصوصاً" خواتین کی تعلیم کا مسئلہ ہماری اولین توجہ کا مستحق تھا لیکن اکثریت کی خواہش اور کوشش کے باوجود اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے-

معاشرہ میں خواتین کا مقام :- اسلامی نظریہ حیات حقیقت میں وہ خاص نظام فکر و عمل ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے- اور یہ رہنمائی ہمیں الہامی ہدایت سے حاصل ہوتی ہے جس کا ماخذ قران و سنت ہے- اسلام زندگی کے ہر شعبے میں اپنے مکمل اور منفرد اصول پیش کرتا ہے جن کی روشنی میں تہذیب اسلامی ایک جداگانہ تہذیب بن جاتی ہے- جس کا مقابلہ آج تک دنیا کی کوئی تہذیب نہیں کر سکی اسلام نے باقی ادیان کی طرح عورت کو مرد سے کمتر قرار نہیں دیا بلکہ عورت کے حقوق اور عظمت کو مرد کے مساوی قرار دیا ہے- زمانہ جاہلیت میں عورت کا وجود معاشرے کے کسی قابل نہیں سمجھا جاتا تھا اور ظلم و ستم کی انتہا یہ تھی کہ بیٹی پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دی جاتی تھی-

جب اسلام کی روشنی سے معاشرہ منور ہوا تو نہ صرف عورت کو جینے کا حق دیا بلکہ اسے معاشرے کا ہم ستون قرار دیا۔ اس کی تعلیم و تربیت کی تلقین ہی نہیں کی انتظام بھی کیا اور عورت کی ترقی کے نام دروازے کھول دیئے۔ علم ترقی کا زینہ ہے۔ اسلام نے مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

طلب العلم فریضتہ علی کل مسلم و مسلمتہ (مشکوۃ کتاب العلم فصل دوم حدیث ۲۰۶)

ترجمہ : علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے

معلم اور متعلمین کے درجات بلند کرتے ہوئے فرمایا جو حصول علم کے لئے نکلتا ہے خدا اس کے لئے جنت کی راہ آسان کرتا ہے۔ (بحوالہ مشکوۃ جلد نمبرا کتاب علم فصل اول حدیث نمبر ۱۹۳)

عہد رسالت میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے لئے تعلیم کا انتظام تھا۔ آپؐ نے ہفتہ میں ایک دن خواتین کی تعلیم کے لئے مقرر کو رکھا تھا اور مسجد میں خواتین کے بیٹھنے کا علیحدہ انتظام تھا۔ حتی کہ خواتین کا دروازہ مردوں سے علیحدہ ہوتا تھا جس کا نام ہی باب النساء پڑ گیا۔ یہ آپؐ ہی کی فیض محبت کا اثر تھا کہ عرب خواتین مسند علم کا تاج بنیں۔ حضرت عائشہؓ کے پاس اتنا علم تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ بھی اس علمی مرتبے تک نہ پہنچ سکے۔

عورتوں کو دینی اور دنیاوی علوم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اس کی تعلیم و تربیت کو اس قدر ضروری قرار دیا گیا جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ نبی کریمؐ سے جس طرح دین اور اخلاق کی تعلیم مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں حضرت عائشہؓ کا حجرہ مبارک خواتین کی درس گاہ تھا۔ حضرت ام سلمہؓ اور دیگر صحابیات عورتوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ اموی اور عباسی دور میں بھی خواتین کی تعلیم کا بہترین انتظام تھا۔ قرطبہ اور سپین میں اس وقت خواتین اساتذہ اور لیڈی ڈاکٹر موجود تھیں جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

مغربی تہذیب نے عورت کو عزت اور حقوق اس وقت نہیں دیئے جب تک وہ عورت رہی۔ جب عورت نے اپنے کندھوں پر مردوں کے فرائض اٹھانے کی ذمہ داری قبول کرلی اس وقت عورت کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ اسلام نے عورت کو عورت ہی کی حیثیت سے بلند مقام دیا ہے۔

تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ اپنی نوخیز نسلوں کو اسلامی مقصد حیات سکھاتا

ہے۔ اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سوائے اسلام کے کسی نے عورت کو صحیح مقام و مرتبہ نہیں دیا بلکہ کچھ نے تو اس کی حیثیت ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر ایک عورت کی حیثیت سے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ اپنے بارے میں جانے اور معلوم کرے کہ رب واحد نے اس کی گھریلو' معاشرتی ' معاشی اور سیاسی زندگی کے لئے کیا سنہرے اصول دیئے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ دلوں پر حکمرانی کرنے والی اور تاریخ ساز کارنامے انجام دینے والی ہر عورت قلوپطرہ اور کرسٹائن کیلر نہیں بلکہ حضرت خدیجہؓ ' حضرت فاطمہؓ اور خولہؓ ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف خود کو گھر کا بہترین منتظم ثابت کیا بلکہ رزم حق و باطل میں فولاد بن کر دکھایا ہے۔ یہی وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنی محبت الفت ' پیار اور نرمی سے دلوں کو مسخر کیا اور اپنی جرات و بہادری سے رزم گاہوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔

ازل سے زندگی کے مچلتے دھاروں پر رواں نسل آدم کی کشتی کو مرد و عورت نے مل کر ہی کھینچا ہے۔ جب حلیف اپنی ' اپنی جگہوں پر مستعد بیٹھے ہوں تو دشمن سے مقابلہ جیتنا مشکل نہیں ہوتا لیکن اگر برابری کی خواہش میں کوئی ایک فرد اپنا اہم مقام چھوڑ کر دوسرے سے جاملے تو جنگ کا دھارا پلٹ جایا کرتا ہے۔ محبت کرنے والے خالق کائنات کی سب سے حسین مخلوق کی کامل فلاح کی خاطر جہاد زندگانی میں دونوں اصناف کا کردار متعین کر دیا ہے۔

معاشرتی' اخلاقی اور سماجی امور میں بڑی بڑی تبدیلیاں قانونی جبر سے نہیں آتیں بلکہ تعلیم و ترغیب سے آتی ہیں مثلاً انگریزی حکومت آئی تو اس نے نہ کسی سے جبراً" نماز ترک کرائی ' نہ کسی عورت کا برقعہ جبراً" اتروایا یہ تو اس کا تعلیمی اور ترغیبی پروگرام تھا جس کے تحت آہستہ آہستہ اسلامی تہذیب کے شعائر غائب ہوتے گئے اور مغربی تہذیب کے اجزاء مسلط ہوتے گئے۔ نمازیں ترک ہوئیں ' قرآن فراموش ہو گیا ' اخلاق عالیہ میں کمزوری آگئی اور نہ صرف برقعے اترتے گئے بلکہ اب آہستہ آہستہ نسوانی جسم کے مختلف حصے قید لباس سے بھی آزاد ہو رہے ہیں یہ ساری تبدیلی قانون اور

پولیس کے زور سے نہیں لائی گئی۔

ٹھیک اسی طرح اسلامی نقطہ نظر سے جو سماجی اور معاشرتی تبدیلیاں مطلوب ہیں وہ قانون کے جبر اور پولیس کے ڈنڈے سے نہیں بلکہ تعلیم و ترغیب سے آئیں گی۔ اگر ایک اجنبی قسم کی باطل تہذیب جبریت کے بغیر اپنا سکہ منوا سکتی ہے تو آخر ہماری اپنی جانی پہچانی تہذیب جو ہمارے لئے دین حق بھی ہے اور جس پر ہم ایمان بھی رکھتے ہیں اسے اگر ذرا سا سازگار ماحول ملے اور وہ اگر تعلیم و ترغیب کے ذرائع کو کام میں لاسکے تو ہمارے اندر تعمیری تبدیلی کے رضاکارانہ جذبات ابھریں گے۔ اصل ضرورت خدا اور رسولؐ سے محبت پیدا ہونے کی ہے۔ اس کے نتیجے میں جب یہ شعور کام کرنے لگے گا کہ ہم مسلمان ہیں' ہمارا نظام حیات دوسروں سے الگ اور بہتر ہے اور ہمارا کام کتاب و سنت کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے تو آہستہ آہستہ زندگیوں کا نقشہ ازخود بدلتا جائے گا۔

اسلام سے قبل تمام مذاہب اور معاشروں میں عورت کی حیثیت بے بس غلام کی سی تھی یونان' ایران' یہودیت عیسائیت' ہندو مت غرض تمام معاشروں اور مذاہب میں مرد کو ہر اعتبار سے عورت پر فوقیت حاصل تھی۔ اسلام سے پہلے عورت ہونا ہی حرام تھا اور لوگ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے لیکن اسلام نے ببانگ دہل لڑکی کے قتل سے منع کیا اور روکا قرآن پاک میں ہے کہ **قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا" بغیرعلم** ترجمہ۔ یقیناً" خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بناء پر قتل کیا۔

یورپ میں ایک صدی سے کچھ پہلے عورت مرد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی اس کے نان و نفقہ کا کوئی مناسب قانون نہ تھا۔ نہ اس کو مرد کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کا حق تھا۔ موجود یورپ میں جو اس وقت مساوات مرد وزن کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ وہاں عورت کا یہ حال ہے کہ کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہے۔ عورت کا احترام و وقار رخصت ہو چکا ہے۔ باپ اور بھائی پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے عورت بے یارو مددگار ہے۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام میں جس مرد کا دل چاہتا ہے اس کو کھلونا بناتا ہے اور جب دل چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے اور پھر بالآخر ملازمت کر کے اپنا بوجھ خود اٹھانے پر مجبور ہو جاتی ہے پھر بڑھاپے میں بغیر اولاد کے کسی ویلفیئر نرسنگ ہوم میں زندگی کے آخری دن پورے کرتی ہے۔

اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں عورت کی جداگانہ تخلیق کو فطرت کا ایک بامعنی اور بامقصد فعل قرار دیتا ہے اور اس مخصوص تخلیقی عمل کے نتیجے میں فرائض کی تقسیم ' حقوق کا تعین ' آداب و احترام کا فرق اور ذمہ داریوں کا جداگانہ اہتمام کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں ' بہن ' بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے وہ بلند مقام عطا کیا ہے جو کسی تہذیب اور کسی معاشرے نے اس کو نہیں دیا۔ عورت کو شوہر کے انتخاب کا پورا حق ہے اس کی مرضی کے خلاف اس کا نکاح نہیں کیا جا سکتا اس کو خلع اور نکاح ثانی کا حق دیا گیا ہے۔ اسلام سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مقابلے میں عورت کی جداگانہ تخلیق کو فطرت کا ایک بامعنی اور بامقصد فعل قرار دیتا ہے اور اس مخصوص تخلیقی عمل کے نتیجے میں فرائض کی تقسیم ' حقوق کا تعین ' آداب و احترام کا فرق اور ذمہ داریوں کا جداگانہ اہتمام کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں ' بہن ' بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے وہ بلند مقام عطا کیا ہے جو کسی تہذیب اور کسی معاشرے نے اس کو نہیں دیا ۔ سیاسی اعتبار سے حکومت کے معاملات میں عورت کے مشورے قبول کئے جاتے ہیں ۔ شرعی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورت مختلف سماجی و سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے ۔

یہ ایک اٹل اور واضح حقیقت ہے کہ عورت مزاج ' طبعیت اور صلاحیت میں قدرتی اور تخلیقی طور پر مرد سے مختلف ہے۔ اسلام مرد و عورت دونوں کا علیحدہ علیحدہ وجود تسلیم کرتا ہے اور اپنے اپنے دائرہ میں ان کو اعلیٰ ترین قرار دیتا ہے۔ اس کی نظر میں تمدن کی سلامتی اور معاشرتی زندگی کے تحفظ و بقا کا انحصار اس پر ہے کہ دونوں اپنے اپنے دائرے میں کام کریں دونوں کی اسی پر جانچ ہے اور اسی پر جزا و سزا ہے۔ اسلام نے عورت کے لئے جو دائرہ کار متعین کیا ہے وہ اس کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ یہ حقیقت پسندی کا تقاضا ہے کہ عورت پر وہی ذمہ داریاں عائد کی جائیں جن کی وہ متحمل ہو اور جن کو پورا کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔

قرون اولیٰ میں عورت نے اپنے اصل دائرہ کار میں رہ کر اپنے اصل مقام کو پالیا وہ اسلامی تہذیب کی ترقی اور اس کی تابناکی کا باعث بنی۔ خواتین اسلام نے اس دور میں شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے تعلیمی میدان میں بھی خاطر خواہ خدمات سرانجام دیں اور اپنی خانگی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ زراعت ' تجارت ' صنعت و حرفت میں بھی حصہ لیا۔ یہاں تک کہ بوقت

ضرورت شرعی احکامات کو مد نظر رکھتے ہوئے جہاد میں بھی حصہ لیا۔

ہم کھلے دل سے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ عورتوں کے متعلق اسلامی تعلیمات درحقیقت برسروفائق ہیں اور ان میں تحریف و تصرف کا مطلب یہ ہے کہ ہم عظیم مفاسد کو دعوت دے رہے ہیں۔

اسلام نے عورت کو جو مقام دیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید کر دیا ہے۔ جس سے باہر وہ جھانک نہیں سکتی۔ یہ ہماری کوتاہ نظری ہے۔ اسلام کا منشاء نہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ جس طرح کسی کا شکار کے لئے یہ ناممکن ہے کہ زندگی کی وسعتوں کو اپنے محدود رقبہ زمین پر سمیٹ لے کوئی طالب علم ایسی کوئی صورت نہیں رکھتا کہ سوسائٹی کے تمام اداروں سے کٹ کر صرف تعلیم کا ہو رہے۔ کسی جج کو اس کا کمرہ عدالت ساری دنیا سے بے نیاز نہیں کر سکتا مگر ان سب کی تگ و دو کا اصل مرکز ان کے ادارے ہی ہوتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو گھر سے متعلق تو ضرور کیا ہے لیکن اس کے فکر و عمل کی دنیا کو گھر کے اندر مخصوص نہیں کر دیا اور نہ اس کو ان حقوق سے محروم رکھا ہے جو اجتماعی زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہیں بلکہ وہ اس کو اس قابل بناتا ہے کہ معاشرہ میں کامیاب و بامراد زندگی بسر کر سکے۔

خواتین کی جداگانہ تعلیم کیوں؟

کائنات میں جس طرف بھی ہم نظر ڈالتے ہیں ہمیں یہ اصول کارفرما نظر آتا ہے کہ ہر شے کے ذمے ایک مخصوص عمل ہے اور وہ اسی پر کاربند ہے۔ اگر وہ کام چھوڑ دے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے اور اس مخصوص کام کو روکنے کے لئے اس کی مخصوص ساخت بنائی گئی ہے۔ سورج کو دیکھیں' چاند کو دیکھیں۔ بادلوں کو دیکھیں تمام اشیاء اپنی مخصوص ساخت کی بناء پر اپنا کام کر رہے ہیں تو یہ کائنات ہمیں متوازن چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے۔ انسانی معاشرے پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہاں بھی تخصیص کار کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ تاجر بھی ہیں' کسان بھی' مزدور بھی' پروفیسر بھی' ڈاکٹر بھی ہیں اور انجینئر بھی ہیں۔ معاشرے کو ان تمام افراد کی ضرورت ہے۔ اگر معاشرہ میں صرف ایک ہی قبیل کے افراد ہوں تو وہ معاشرہ نہ اپنی ضروریات پوری

کر سکتا ہے اور نہ ہی ترقی کر سکتا ہے۔ یہ اصول دراصل کائنات کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ دنیا نے اسے مانا یا نہ مانا اور کس حد تک مانا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک یہ اصول نہیں مانا جاتا رہا انسانی معاشرت تمدن اور فن نے ترقی نہیں کی اور جمود کی کیفیت طاری رہی اور جب دنیا نے اسے اہم جانا تو دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کی چکا چوند اور روز افزوں ترقی ہوتی چلی گئی۔

دور جدید نے صلاحیتوں ' قوتوں اور وسائل کی حد تک تو یہ مانا ہے کہ تخصیص کار کے ذریعے ہی ہم ترقی کر سکتے ہیں۔ جب ہر شے کی بقاء اور ترقی کے لئے یہ اصول کارفرما ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ معاشرہ جو دو اصناف سے وجود میں آتا ہے ان کے درمیان تخصیص کار نہ ہو یہ اور بات ہے کہ وہ کام کوئی اور کرے مثلاً یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بچے کی نگہداشت اور تربیت اس کی ماں کر سکتی ہے لیکن جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو اپنا یہ کام آیا کے سپرد کر جاتی ہے نتائج جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بچے معاشرے میں زیادہ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور احساس محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔

خواتین کے حقوق و فرائض خواتین کے حقوق کے تعین میں اسلام نے تین باتوں کا خاص ذکر کیا ہے۔

۱۔ جو حاکمانہ اختیارات فرد کو محض خاندان کے نظم و ضبط کی خاطر دیئے گئے ہیں ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۲۔ عورت کو ایسے تمام مواقع بہم پہنچائے جائیں جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نظام معاشرت کے حدود میں اپنی فطری صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکے اور تعمیر تمدن میں اپنے حصے کا کام بہتر سے بہتر انجام دے سکے۔

۳۔ عورت کے لئے ترقی اور کامیابی کے بلند سے بلند درجوں تک پہنچنا ممکن ہو مگر اس کی ترقی اور کامیابی میں جو کچھ بھی ہو عورت ہونے کی حیثیت سے ہو مرد بننا نہ ہو۔ نہ مردانہ زندگی کے لئے اس کو تیار کرنا۔ یہ نہ تو اس کے لئے اور نہ تمدن کے لئے مفید ہے اور نہ مردانہ زندگی میں وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔

فرائض خواتین کو اسلامی شریعت نے نہ صرف حقوق دیئے ہیں بلکہ ان کے کچھ فرائض بھی ہیں۔ قرآن و حدیث کا خود مطالعہ کریں اور ان میں سے ایسے مطالبوں کو نوٹ کریں جو خواتین کے لئے ہیں۔ شریعت اسلامی کے ان مطالبوں کو دل و جان سے تسلیم کریں اس میں دین و دنیا کی فلاح ہے۔ ان کے فرائض میں بڑا فرض یہ ہے کہ اسلامی نظام کو قائم کرنے کی جد و جہد میں خواتین مردوں کا ساتھ دیں وہ باپ بھائیوں شوہروں اور بیٹیوں کو اپنی ذمہ داریوں کے لئے آمادہ کریں اور ان کی ہر ممکن طریقے سے مدد کریں۔

خواتین کے جداگانہ نصابیات کے مطابق نصاب تعلیم: ماہرین تعلیم کے نزدیک کسی بھی اچھے نصاب تعلیم میں چار بنیادی خصوصیات کا ہونا لازمی ہیں۔

(۱) نصاب تعلیم بامقصد ہو

(۲) نصاب تعلیم اپنے مقاصد کے اعتبار سے متعلقہ قوم کی تہذیبی ' معاشرتی ' مذہبی اور قومی اقدارو ضروریات سے ہم آہنگ ہو۔

(۳) نصاب تعلیم کا ایک مضبوط مرکز ہو یعنی اس کے تمام پہلو باہم مربوط ہوں - غیر مربوط اور باہم متناقص نصاب تعلیم منتشر شخصیتیں ' ژولیدہ افکار اور پراگندہ زبان پیدا کرتا ہے۔

(۴) نصاب ارتقائی نوعیت کا ہو۔ بنیادی افکار ابتدائی نصاب میں بھی موجود ہوں - بعد میں تعلیم کے مدارج میں ترقی کے ساتھ ساتھ وہی افکار بتدریج ارتقاء کریں وسیع تر اور مفصل تر ہوتے چلے جائیں۔

پرائمری سطح کا نصاب:۔ پرائمری سطح پر زیادہ تر زور لکھنے پڑھنے ' حساب لگانے اور آسان سوالات ریاضی پر ہوتا ہے - لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کا اوسط طبقہ اور خاص طور پر اہل دیہات اپنی بچیوں کو صرف پرائمری تک پڑھانے پر اکتفا کرتے ہیں اس صورت حال میں اشد ضرورت ہے کہ ہمارا پرائمری تک کا نصاب اس حد تک خود کفیل ضرور ہو کہ جب ایک بچی پرائمری تک کی تعلیم حاصل کرکے مدرسے سے نکلے تو اس کی سوچوں کا رخ سوئے حرم مڑچکا ہو۔ اسلام کے بنیادی عقائد' توحید کا عقیدہ' انسان کا اس دنیا میں مقام ' دنیا کی حیثیت اور عورت کا اپنا دائرہ کار اس بچی پر واضح

ہوچکا ہو۔ اسلام کا تفصیلی علم اس کو نہ بھی ہو تو اتنی بات کا اندازہ اس کو ہوچکا ہو کہ اسلام ہی اس کا طرز زندگی اور مقصد حیات ہے اور آئندہ زندگی میں معاشرے میں ایک مسلمان اور ایک عورت کی حیثیت سے اسے کیا کرنا ہے اس سلسلہ میں پرائمری سطح پر جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان میں کمی بیشی کی ضرورت تو شاید نہیں ہے مگر مندرجہ ذیل اقدامات کرنے ضروری ہیں۔

(۱) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ لکھنا' پڑھنا قطعاً کوئی چیز نہیں اس کے ساتھ ساتھ *Attitude learning* کا عمل مسلسل جاری ہوتا ہے بچہ *skills* (لکھنے پڑھنے) کو جس مواد کے ذریعے سیکھے گا وہی اس کی آئندہ کی شخصیت' اس کے مستقبل کے رویے اور اس کے افکار کے رخ کو متعین کر دے گا۔ لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ ہم ابتدائی قاعدوں کے مواد کو بہت ہوش مندی کے ساتھ ترتیب دیں مثلاً الف سے اللہ اور ب سے باورچی خانہ لکھا جائے۔ اس طرح بچی کا ذہن اپنے دینی مقاصد اور نسوانی کردار کو زیادہ مثبت طریقے سے ادا کرسکے گا۔

(۲) اسلامیات اور اردو کے نصاب میں مثالی اسلامی خواتین کے قصے اور سیرتیں شامل نصاب کی جائیں۔ اسلامیاب میں ایمانیات اور ارکان اسلام والا حصہ بہت موثر اور پر زور ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ دس سال کی بچی کو فقہی مسائل بھی معلوم ہونے چاہئیں مثلاً طہارت اور پاکیزگی کے احکام' وضو کے مسائل' نماز اور روزے کے طریقے' حرام و حلال کی ابتدائی حدود' والدین' رشتہ داروں ہمسایوں کے حقوق' کھانے پینے کے آداب' بچوں اور شوہروں کے ساتھ سلوک' لباس کی حدود' معاشرتی زندگی کے پسندیدہ اطوار ضرور پتہ ہونے چاہیں۔

(۳) سائنسی تعلیمات کے سلسلہ میں سائنس کے مضمون میں ابتداء سے بچی کے ذہن میں یہ بٹھایا جائے کہ کائنات کا خالق اللہ ہے اس کے پاس اصل اتھارٹی ہے اور اس کے پاس کامل علم ہے۔ کائنات اللہ کا معجزہ ہے اور سائنس اس کائنات کو *Study* کرتی ہے۔ پریکٹیکل عنصر کو زیادہ شامل کیا جائے اور یہ عنصر اس طرح کا ہو کہ بچی کو گھر کے کام میں مدد دے مثلاً تھوڑے بہت فرسٹ ایڈ اور حفظان صحت کے اصول نصاب میں شامل کریں تو بہتر ہوگا۔ عموماً ہمارے ہاں سلائی کے نام سے پرائمری سطح پر ایک انتہائی غیر موثر عملی مضمون شامل نصاب ہوتا ہے جس کے نمبر بہت کم ہوتے ہیں اور دوسرا طریقہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ بچیاں عموماً ہمارے ہاں سلائی کے سیکھنے کے بجائے گھروں

سے کروا کے لے آتی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ سلائی کے اس مضمون کو موثر بنایا جائے۔ سب سے پہلے اسلام کے نقطہ نظر سے ان کے سلائی سیکھنے کی اہمیت ان پر واضح کی جائے پھر اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے کہ بچیاں سلائی خود کریں اس کا پیریڈ باقاعدہ ہونا چاہئے۔

(۴) معاشرتی علوم پڑھاتے ہوئے بھی شروع سے ہی اسلام کا تصور معاشرت بچیوں کے ذہنوں میں بٹھایا جائے کہ اس کا معاشرے میں اس کا اپنا کیا مقام ہے اور اس نے اس میں کسی طرح کا کردار ادا کرنا ہے اس کا ایک موثر حصہ شامل نصاب کیا جائے۔

نصاب برائے مڈل اور ہائی کلاسز:۔ اس سطح پر بھی مضامین زیادہ تر وہی رہیں گے جو پرائمری میں ہیں صرف مواد ہی میں تبدیلی آئے گی سلائی کے مضمون کو باقاعدہ ہوم اکنامکس کی شکل دی جائے اور اس کو سب کے لئے لازمی قرار دیا جائے۔ ہوم اکنامکس کو ایک سیکولر علم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک اسلامی علم کی حیثیت سے پڑھایا جائے اس کی نصابی کتب کا آغاز اسلامک ہوم اکنامکس کی تشریح اور عورت کا معاشرہ میں کردار سے کیا جائے۔ نیز اس میں عملی عنصر کو مزید وسعت دی جائے فرسٹ ایڈ ' حفظان صحت ' صحت کے اصولوں کی عملی تدریس اور *Child Care* وغیرہ کو شامل نصاب کیا جائے اس کے ساتھ ساتھ اس عمر میں بجلی کا تھوڑا بہت کام ' بجلی کی استری ٹھیک کرنا ' فیوز لگانا وغیرہ بھی سکھانا چاہئے۔ لکڑی کا کام بھی کچھ دکھا دیا جائے کہ ہماری ہر طالبہ میٹرک پاس کرنے تک بہترین کھانا پکانا اور بہترین سلائی کرنا جان چکی ہو۔

(۲) اسلامیات میں فقہی مسائل کا عنصر زیادہ شامل کیا جائے گا وہ فقہی مسائل جن کا ۱۵ سال کی عمر میں طالبات کو ضروری پتہ ہونا چاہئے۔

(۳) تاریخ اور معاشرتی علوم میں بھی نامور خواتین کے کارنامے وغیرہ بیان کیے جائیں اور ایک مسلمان خاتون کی حیثیت سے اسے کیا کرنا چاہئے۔

(۴) اس سطح پر شہری دفاع کا ایک ابتدائی کورس بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

(۵) سائنس میں پھر آغاز اللہ کے نام اور اس کی تخلیق کے ذکر سے ہو اور عملی کام اس میں زیادہ شامل ہو۔

(۶) عربی بھی لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل نصاب ہو۔

اس طرح کی تعلیم سے اسلامی تہذیب و ثقافت کو عروج حاصل ہوگا۔ عورت کو اس کا اسلام کی طرف سے متعین کردہ دائرہ کار کے مطابق مخصوص تعلیم و تربیت سے وہ اخلاق اور دین کا مجسمہ ثابت ہوگی۔ خواتین کا الگ نصاب ان کے فطری تقاضوں کو جلا بخشے گا۔

وماعلینا الا البلاغ

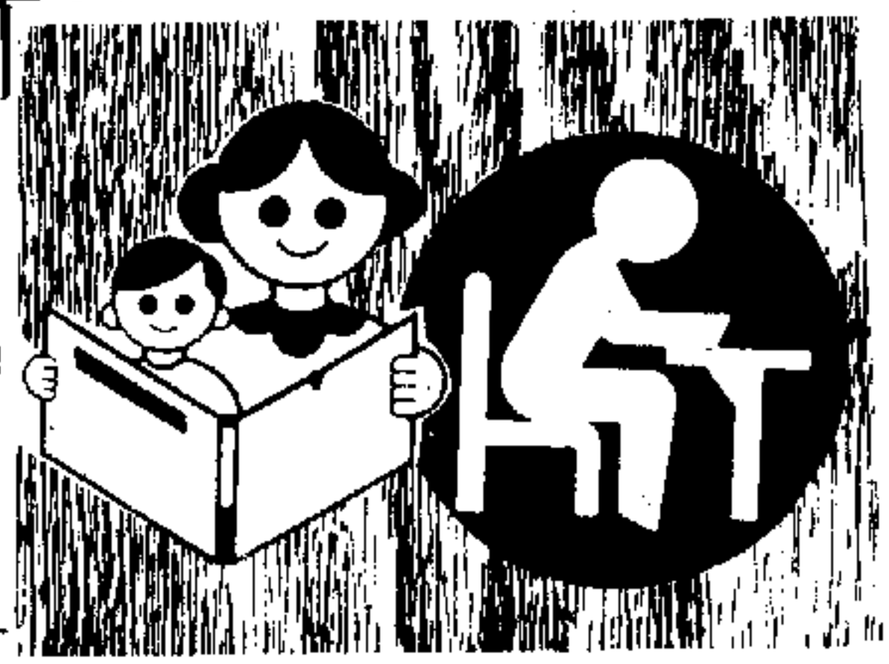

بچوں کی تعلیم و تربیت میں

والدین اور اساتذہ کا کردار

تحریر = مقبول الرحمٰن پرنسپل گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج کرک

انسانی سیرت و کردار کی تعمیر کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں - بچپن کے زمانے کو اس تعمیر میں کافی عمل دخل ہے اگر ابتداء ہی سے بچے کی مناسب نشوونما اور تربیت کی جائے - تو بچے کی شخصیت پروان چڑھتی ہے یہ اہم ذمہ داری والدین پر بھی پرتی ہے اور استاد پر بھی-

والدین کا کردار

بچے کی صحیح تربیت کا دارو مدار والدین پر ہے- والدین کا فرض ہے کہ وہ بچوں کو بری عادات و اطوار سے روکیں اور ان میں اخلاق حسنہ پیدا کریں - زیادہ لاڈ پیار بچوں کی تعمیر سیرت کے لئے زہر ہلا ہل ہے - ان کے ساتھ بے جا سختی بھی ان کی شخصیت کو بری طرح متاثر کرتی ہے- بچے کو اکثر مارنا پیٹنا اور بات بات پر جھڑکنا اس میں بغض اور کینہ پیدا کرتا ہے اور اس سے بچہ بگڑ جاتا ہے-

گھر میں ماں باپ کی ناچاقی بھی بچے کی شخصیت کی تعمیر کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے اسی طرح اگر باپ بچے کے ساتھ کسی معاملہ میں سختی سے پیش آئے اور ماں اسے لاڈ پیار سے نوازے- تو یہ متضاد رویہ بچے کے ذہن پر گہرے نقوش چھوڑ جاتا ہے وہ باپ کو دشمن اور ماں کو ہمدرد سمجھنے لگتا ہے اور متذبذب ہوکر ضدی اور خود سر بن جاتا ہے اس لئے بچوں کی صحیح تربیت اور

تعمیر شخصیت کے سلسلے میں والدین کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور رواداری سے کام لیں۔ ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار اور بے جا سختی سے گریز کریں۔

ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار نہ صرف بچے کی شخصیت کو بگاڑتا ہے بلکہ والدین کے لئے بھی پریشانی کا باعث بنتا ہے اس سے بچہ بزدل بن جاتا ہے اور خود اعتمادی کھو بیٹھتا ہے - یہ بات بھی قرین قیاس نہیں کہ بچے کو ہر لحہ معمولی معمولی واقعات سے بچایا جائے۔

اس سے بچے میں خود اعتمادی ختم ہوجاتی ہے اور وہ قدم قدم پر والدین اور دوسرے افراد کی رہنمائی کا محتاج بن جاتا ہے جس طرح ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار سے بچے کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی ہے اسی طرح بے جا سختی بھی بچے کی زندگی کو اجیرن بنادیتی ہے۔

بعض اوقات والدین کے بے محل الفاظ بچے کے جذبات کو اتنا ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ جس کا والدین تصور بھی نہیں کرسکتے۔ آپ نے اکثر ماؤں کو یہ کہتے سنا ہوگا۔ "اگر تم اسی طرح شرارتیں کرتے رہو گے اور برے لڑکوں سے کھیلنا کودنا نہیں چھوڑو گے تو میں تم سے ہمیشہ کے لئے بیزار ہو جاؤں گی اور تم سے پیار کرنا چھوڑ دوں گی"

ایسے الفاظ بظاہر معمولی نظر آتے ہیں - لیکن بچے کے دل پر یہ الفاظ کاری ضرب لگاتے ہیں اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس دنیا میں اب اس کا کوئی غمگسار نہیں رہا۔ ایسا رویہ بچے میں احساس کمتری پیدا کرتا ہے۔ بچے کو بات بات پر کوسنا بھی احساس کمتری کو دعوت دینا ہے۔ بچے میں بعض ایسی کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں۔ جن کا دور کرنا والدین کا فریضہ بنتا ہے لیکن ان کمزوریوں کو دور کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں - بچے کو علیحدہ بلاکر سمجھایا جائے اسے ان کی ضرر رسانی سے آگاہ کیا جائے۔ اور ان کے رفع کرنے میں اس کی رہنمائی کی جائے۔

بعض والدین اپنے بچوں سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کرتے ہیں۔ جب بچے ان توقعات پر پورا نہیں اترتے۔ تو والدین انہیں ناکامیوں کا احساس دلاتے ہیں جس سے ان میں احساس کمتری پیدا ہوتی ہے - بچوں کے ساتھ مشفقانہ رویہ ان کے احساس کمتری کو دور کرنے کا بہترین علاج ہے۔

بچے اپنے والدین کو بہت اونچا مقام دیتے ہیں اور ان کے کردار کی نقل کرتے ہیں اس لئے والدین کا یہ اہم فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے سامنے مثالی کردار کا نمونہ پیش کریں۔ والدین کو اپنی

ذمہ داریوں کا احساس اس بات سے ہونا چاہئے۔ کہ سکول جانے والے بچوں کا شب و روز میں دو تہائی سے زیادہ وقت ان ہی کے ماحول میں گزرتا ہے جبکہ وہ ایک تہائی سے بھی کم وقت سکول میں گزارتے ہیں ۔ لہٰذا والدین کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے بچے اپنے اوقات کو کیسے تصرف میں لاتے ہیں اور ان کی غیر نصابی سرگرمیاں کیا ہیں ۔ کیا وہ درسی کتاب سامنے رکھ کر ڈائجسٹ ' جاسوسی ناول یا کوئی غیر اخلاقی کتابیں تو نہیں پڑھ رہے ۔ اگر والدین اپنی اولاد کی مناسب نگہداشت کریں ۔ تو مستقبل میں انہیں کسی رسوائی کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔

گھر میں صحت مند ماحول پیدا کرنا والدین کی ذمہ داری ہے والدین کی باہمی محبت ایک ایسی نعمت ہے جس کے باعث بچوں کو خوشگوار ماحول میسر آسکتا ہے۔

بچوں کی تعلیم گھر سے شروع ہوتی ہے ۔ توحید و رسالتؐ بچوں کا پہلا سبق ہونا چاہئے بچوں میں یہ عادت ڈالی جائے کہ بچپن ہی سے مسجد کے ماحول کو اپنائیں۔ تاکہ ابتدائی تعلیم اور عبادات وہیں سے سیکھے اور مسجد کے ساتھ ان کا خصوصی لگاؤ رہے۔

استاد کا کردار

بچے صرف والدین کی تقلید ہی نہیں کرتے ۔ بلکہ وہ اپنے اساتذہ کے کردار سے بھی بہت اثر قبول کرتے ہیں جب تک بچہ گھر میں رہے۔ اس کی تربیت والدین کے ذمے ہوتی ہے لیکن جب وہ سکول میں داخل ہوجائے۔ تو یہ ذمہ داری اساتذہ پر بھی پڑجاتی ہے اس لئے استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ایسے اوصاف پیدا کرے۔ جن کی تقلید کرکے بچہ مثالی کردار کا مالک بنے۔ بچوں میں صفائی اور نفاست کی عادت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ استاد صاف ستھرا لباس زیب تن کرکے آئے۔

استاد کا مشفقانہ رویہ اور ہمدردانہ رہبری بچے کی شخصیت سازی میں تیر بہدف کا کام کرتی ہے بچہ جب سکول جانے کے قابل ہوجاتا ہے تو اس کی دلچسپیاں بھی بدل جاتی ہیں اب وہ زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس کا ذہن بدستور ترقی کر رہا ہوتا ہے ۔ بچوں کی نفسیات اور احساسات سے باخبر اساتذہ کھیل کھیل میں ان کی ایسی تعلیم و تربیت کرلیتے ہیں ۔ کہ وہ بہترین شہری بن کر قوم و

ملک کے لئے فخر کا باعث بن جاتے ہیں

بچوں کو جسمانی سزا دینے سے وہ ڈھیٹھ اور خود سر بن جاتے ہیں اس سے احتراز کرنا اچھے استاد کے فرائض میں شامل ہے استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو مضمون پڑھاتا ہے اس پر اسے مکمل عبور حاصل ہو تاکہ وہ طلباء کی تعلیمی پیاس کو بجھاسکے ۔ اور اپنے تجربے اور مشاہدے کو بنیاد بنا کر وہ ان ننھے منے پھولوں کی آبیاری کرسکے مدرسہ کی مثال ایک باغ کی ہے ۔ جس میں بچہ ایک پودے کی مانند ہے ۔ اور استاد اس باغ کا باغبان ہے۔

اگر باغبان کو اپنے کام میں مہارت حاصل ہو تو وہ اس باغ کو خوبصورت اور منافع بخش پودوں میں تبدیل کر دیتا ہے ۔ ورنہ اس باغ میں کانٹوں اور خودرو پودوں سے سوا کچھ نہ اگے گا۔

ایک استاد کے لئے لازم ہے کہ وہ بچوں کے سامنے خلوص محبت انصاف اور دیانتداری کا نمونہ بن کر آئے اور انہیں ایسی کتابیں فراہم کرے جن سے بچوں میں یہی اوصاف حمیدہ پیدا ہوں ۔

محبت کے اثر سے دل سراپانور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا چراغ طور ہوتا ہے

استاد بچوں کو اچھی اچھی کتابیں پڑھنے کی ترغیب دے تاکہ ان کی قوت فکر و عمل میں اضافہ ہو۔ بعض اساتذہ شریر اور چڑچڑے بچوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں ۔ جو ایک اچھا طریقہ تدریس نہیں ہے کامیاب استاد وہ ہوتا ہے جو ایسے بچوں کو اپنی تربیت سے راستہ بدلنے پر آمادہ کردے۔ بچے اگر غلط کام کرتے ہیں ۔ تو انہیں سزا اس انداز سے دی جائے ۔ کہ دوسروں کے سامنے ان کا وقار مجروح نہ ہو ۔ اگر وہ اچھا کام کریں تو انہیں انعام دیا جائے۔ سکول میں ملا ہوا انعام بچے کے لئے ایک قابل فخر یادگار ہوتی ہے جسے وہ کبھی نہیں بھولتا۔

آیئے کہ ہم " اقبال کا پیغام اساتذہ کے نام " کو اپنا مشعل راہ بنائیں ۔ یعنی

سیرت کے لئے موت ہو تعلیم جہاں کی
ملت کے ہو معمار یہ بھولو نہ کسی پل
استاد کا جو فرض ہے وہ فرض نبھا دو
اس مکتب جاں سوز کی ہر چیز جلادو

تعمیر کا تم حق ادا کرکے دکھا دو
قبالؒ کی تم روح کو تسکین پہنچا دو

اور آیئے - کہ ہم سب مل کر عہد کریں - کہ بحیثیت والدین اور اساتذہ باہمی تعاون اور اشتراک عمل سے بچے کی کردار سازی اور تعلیم و تربیت میں تن من دھن کی بازی لگائیں گے۔ اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق دے - آمین -

؎ نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

مرکز توسیع تعلیم صوبہ سرحد

منڈیاں ایبٹ آباد کا مکمل

تعارف

تحریر: عبداللیف میر

تاریخی و تنظیمی پس منظر

- ملک میں پہلا مرکز توسیع تعلیم ۱۹۵۹ء میں لاہور میں قیام پذیر ہوا۔
- ۱۹۶۴ء میں کراچی، خیرپور اور ایبٹ آباد میں ذیلی مراکز قائم ہوئے۔
- ۱۹۷۰ء میں ون یونٹ کے خاتمے کے بعد مرکز توسیع تعلیم ایبٹ آباد کا دائرہ کار صوبہ سرحد تک محدود کر دیا گیا۔
- صوبے میں مزید مراکز توسیع تعلیم کھولنے کی تجویز زیر غور ہے۔

محل وقوع

- مرکز توسیع تعلیم ایبٹ آباد شہر سے تقریباً ۶ کلومیٹر کے فاصلے پر منڈیاں کے پرفضا مقام پر واقع ہے۔
- نمبر ۲ گورنمنٹ ڈگری کالج، پولی ٹیکنک انسٹیٹیوٹ ہمسائیگی میں واقع ہیں اور گورنمنٹ ہائی سکول

جھنگی، قریب ہی واقع ہیں۔

○ نظامت ترقی نصاب و توسیع تعلیم صوبہ سرحد کی عمارت اس کے ساتھ منسلک ہے۔

عمارت

۱۔ مرکز توسیع تعلیم اقامتی ادارہ ہے۔ اس کا ایک دو منزلہ پچاس کمروں پر مشتمل ہاسٹل ہے۔ جس میں بیک وقت ایک سو افراد کی گنجائش موجود ہے۔

۲۔ فی الحال تدریسی بلاک، کلاس روم، کانفرنس ہال، ہوم اکنامکس، لائبریری، لسانی معمل پروجیکشن، روم، لائبریری اور دفاتر نہیں ہیں۔ سائنس بلاک بھی موجود نہیں۔ عارضی طور پر ہاسٹل کے ڈائیننگ ہال اور کامن روم سے کلاس رومز کا کام لیا جا رہا ہے اور تین چھوٹے چھوٹے رہائشی کوارٹرز کو بطور گودام اور دفاتر استعمال کیا جا رہا ہے۔ مرکز توسیع کو مکمل عمارت کی اشد ضرورت ہے۔ اس ضمن میں تمام ممکنہ ذرائع بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔

مرکز کی تشکیل کا مقصد

۱۔ کارکن اساتذہ کو دوران ملازمت تجدید تربیت کے مواقع مہیا کرنا۔

۲۔ معیاری تعلیم کے حصول کے لئے اساتذہ کو جدید طریقوں سے شناسا کرنا۔

۳۔ نصاب تعلیم کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنا۔

۴۔ شارٹ ٹرم کورسز کا انعقاد کرنا۔

مرکز توسیع تعلیم ایبٹ آباد کے چند اہم شعبے

۱۔ لسانی معمل کسی بھی زبان کی موثر تدریس اور تعلیم و تربیت کے لئے لسانی معمل کا ہونا اشد

ضروری ہے۔ اس کا مقصد زبان کے اساتذہ کو جدید لسانی اوصولوں اور طریقہ ہائے تدریس سے متعارف کرنا ہے۔ تلفظ اور لب و لہجے کی صحت اور خوش بیانی کے اوصاف پیدا کرنے کے لئے یہ معمل بہت مفید ہے۔ اردو اور انگریزی کے اساتذہ اس معمل سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ عنقریب اس کا قیام زیر غور ہے۔

سائنس کے معمل مرکز میں طبیعات کیمیا اور حیاتیات کا سامان موجود ہے۔ فورڈ فاؤنڈیشن پاکستان منصوبوں کے تحت ان معملوں میں نہایت عمدہ اور اہم سامان مہیا کیا گیا ہے تاکہ زیر تربیت اساتذہ کو عمدہ تجربات سے شناسا کیا جائے اور جدید ترین طریقہ ہائے تدریس سے متعارف کرایا جائے۔ عکاسی کے لئے ایک علیحدہ کمرہ ہے۔

ہوم اکنامکس لائبریری ۔ ہوم اکنامکس لائبریری میں کھانے پکانے' کپڑے دھونے اور سلائی کا معیاری سامان کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیبارٹری کا قیام بھی زیر غور ہے تاکہ کورس کے دوران شرکاء بیک وقت لیبارٹری میں کام کر سکیں۔

لائبریری اساتذہ' مرکز اور شرکائے کورس کے لئے ایک وسعت پذیر لائبریری ہے اور مواد مطالعہ الماریوں میں ترتیب دیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین سہولت سے استفادہ کر سکیں۔ اس میں بارہ ہزار سے زائد کتب موجود ہیں۔ اس میں رسائل' اخبارات' ہفت روزے اور ماہنامے باقاعدگی سے ملتے رہتے ہیں۔

فلم لائبریری اس لائبریری میں تدریس کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لئے تعلیمی و تدریسی فلمیں جمع کی گئی ہیں۔ جن سے معلمین کو مستفید کیا جاتا ہے۔ اس لائبریری میں ۱۰۰ فلمیں ۱۵۰ فلم سٹرپس اور دیگر الیکٹرانک سامان موجود ہے۔

سٹاف / عملہ

مرکز ہذا میں اس وقت ایک چیف انسٹرکٹر اور سات انسٹرکٹر موجود ہیں جن میں خواتین انسٹرکٹرز ہیں۔ ایک تربیت یافتہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک ہاسٹل سپرنٹنڈنٹ ایک پروجیکشنسٹ ایک سٹینو گرافر ہے۔

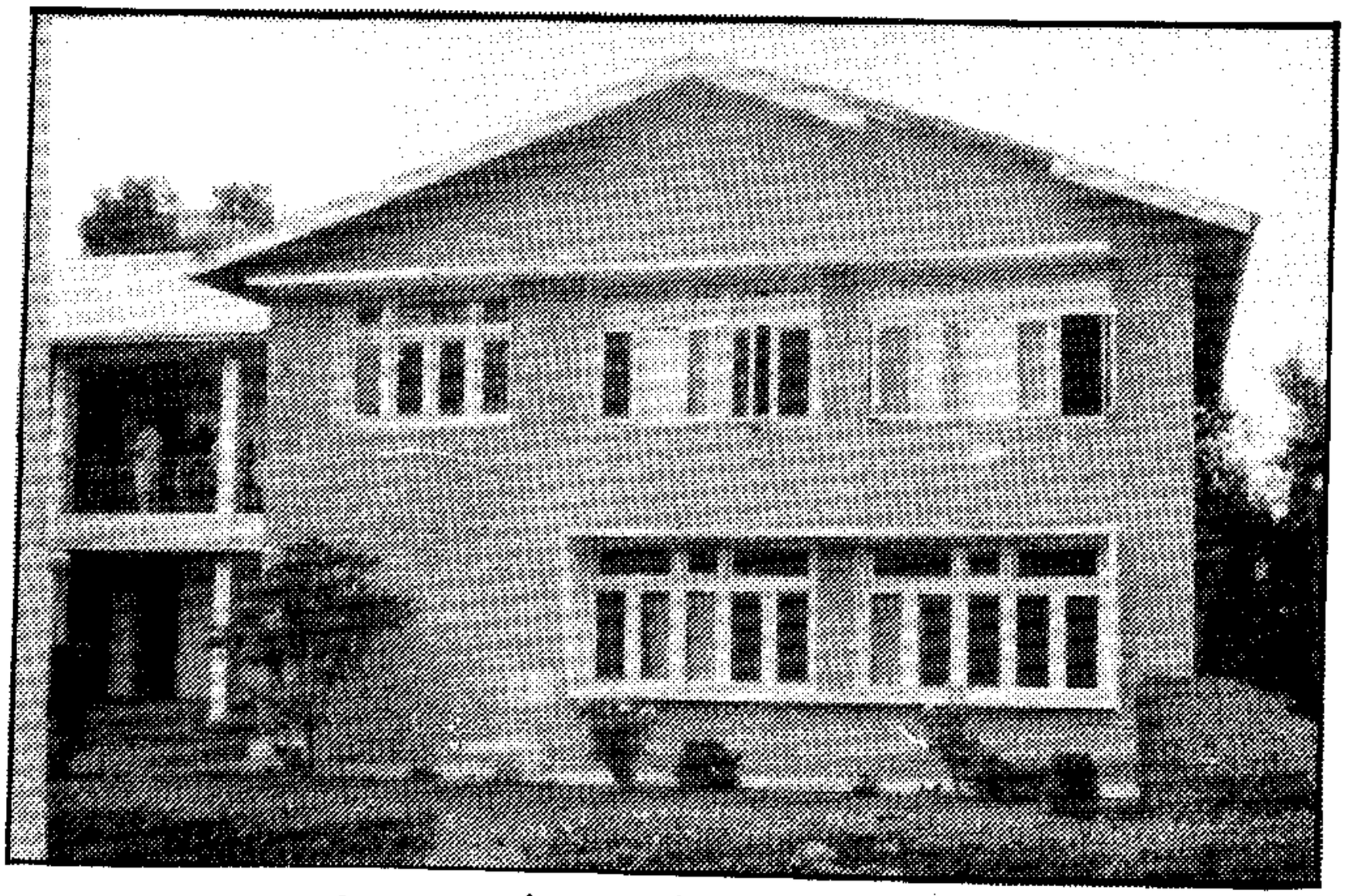

ادارہ ترقی نصاب وتوسیع تعلیم صوبہ سرحد کی لائبریری کی عمارت کا پیش منظر

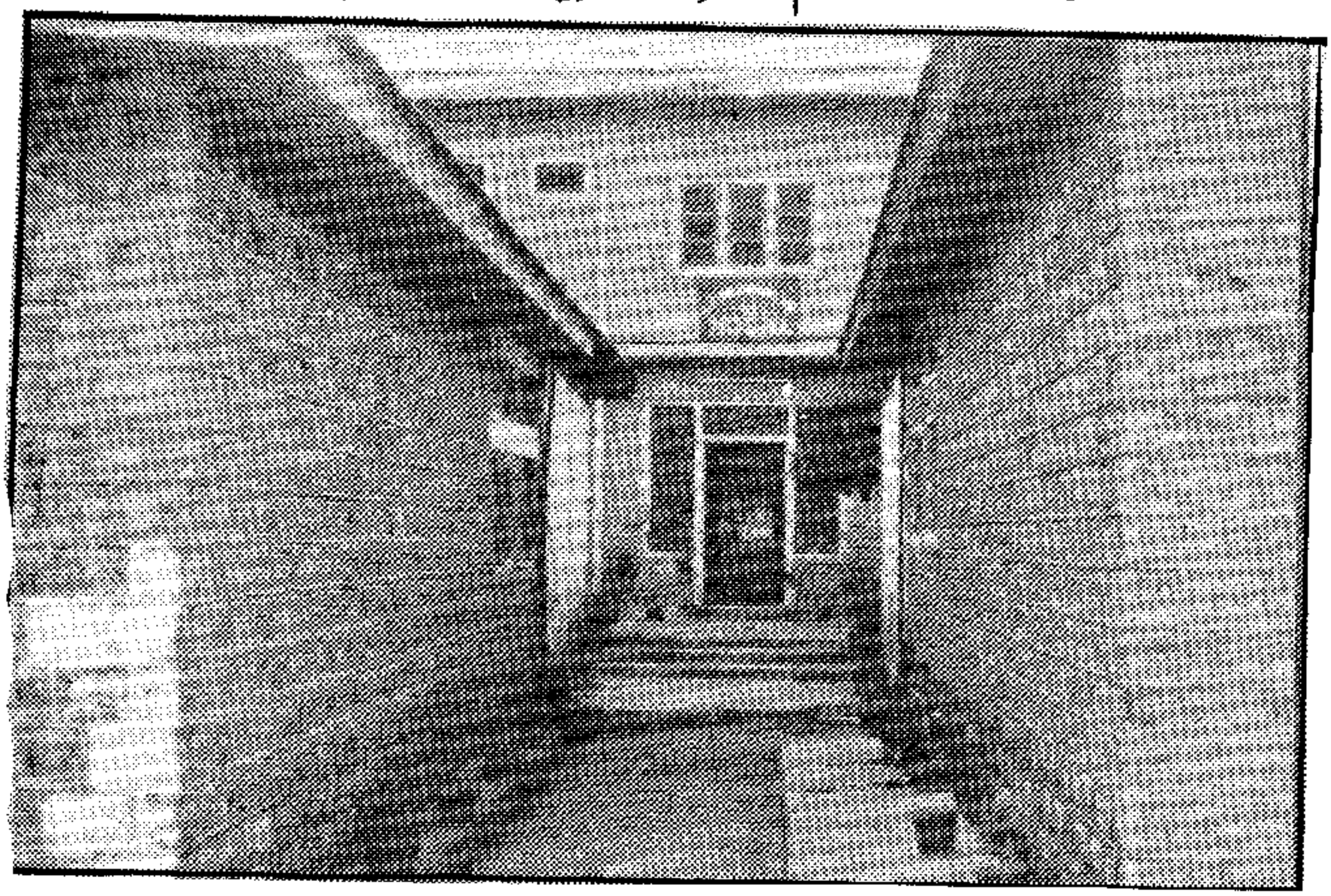

ایجوکیشن ایکسٹنشن سنٹر صوبہ سرحد ایبٹ آباد کے ہاسٹل کا ایک منظر

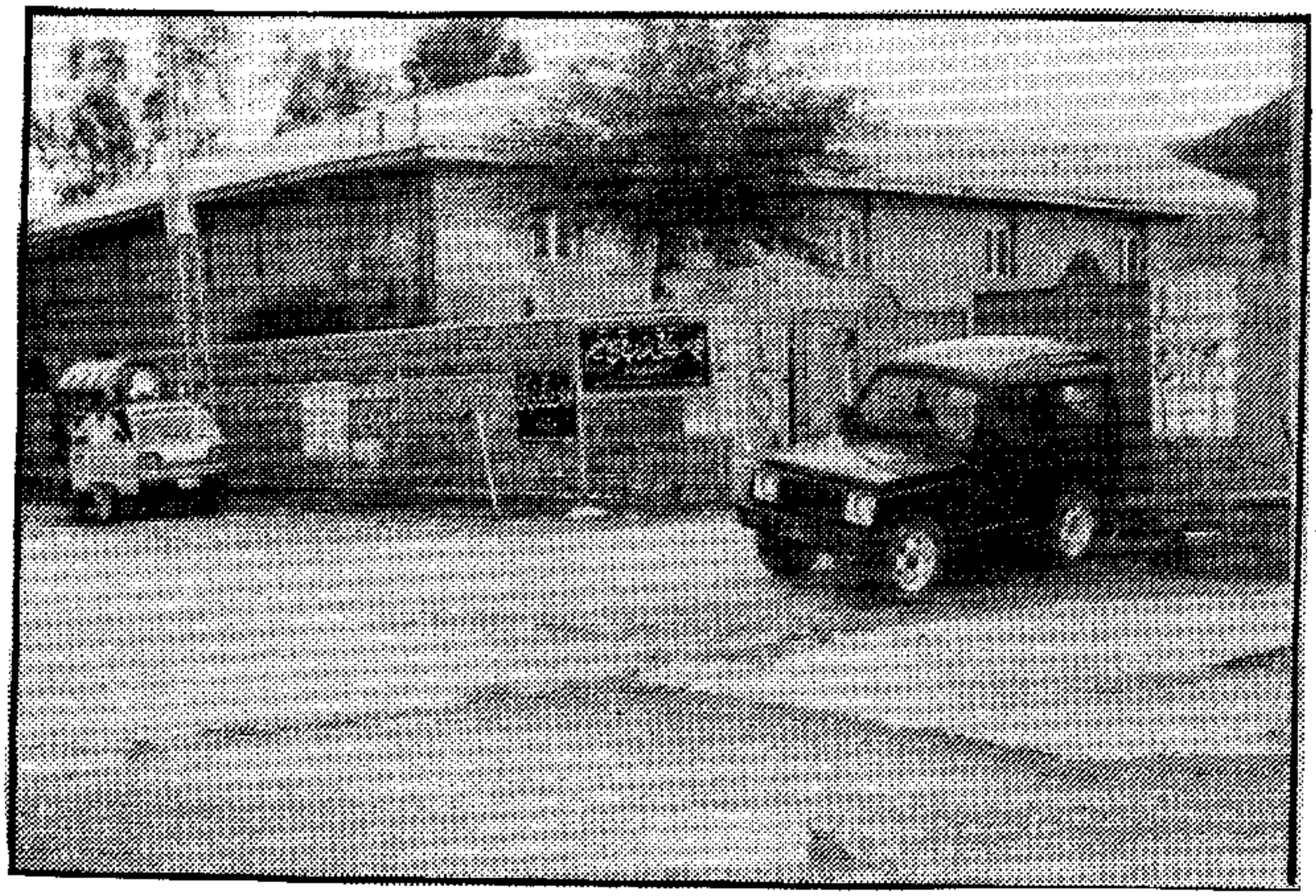

ادارہ ترقی نصاب وتوسیع تعلیم صوبہ سرحد کی عمارت کا بڑا دروازہ

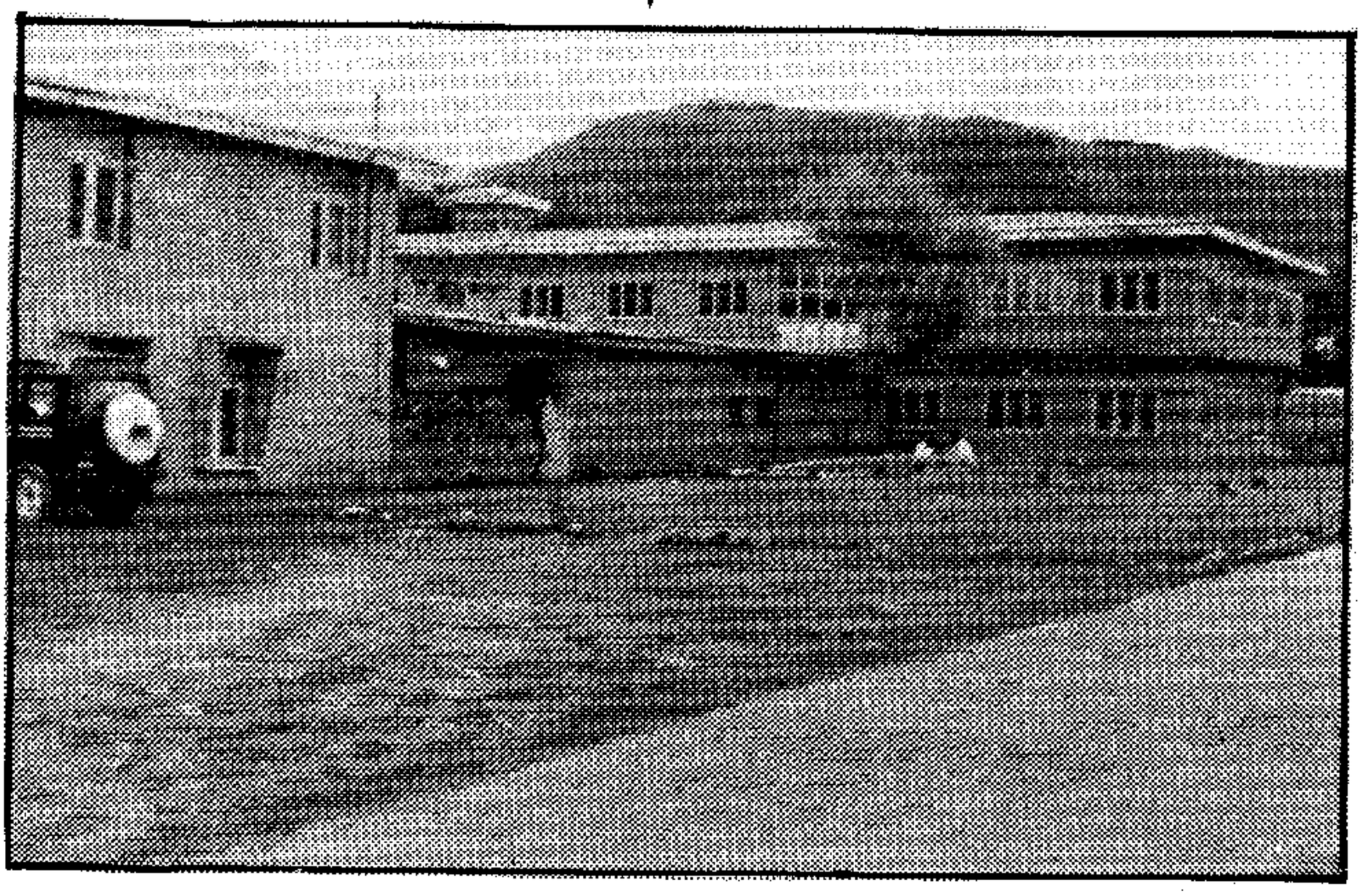

ادارہ ترقی نصاب وتوسیع تعلیم صوبہ سرحد اور مرکز توسیع تعلیم صوبہ سرحد ایبٹ آباد کی عمارت کا بیرونی منظر

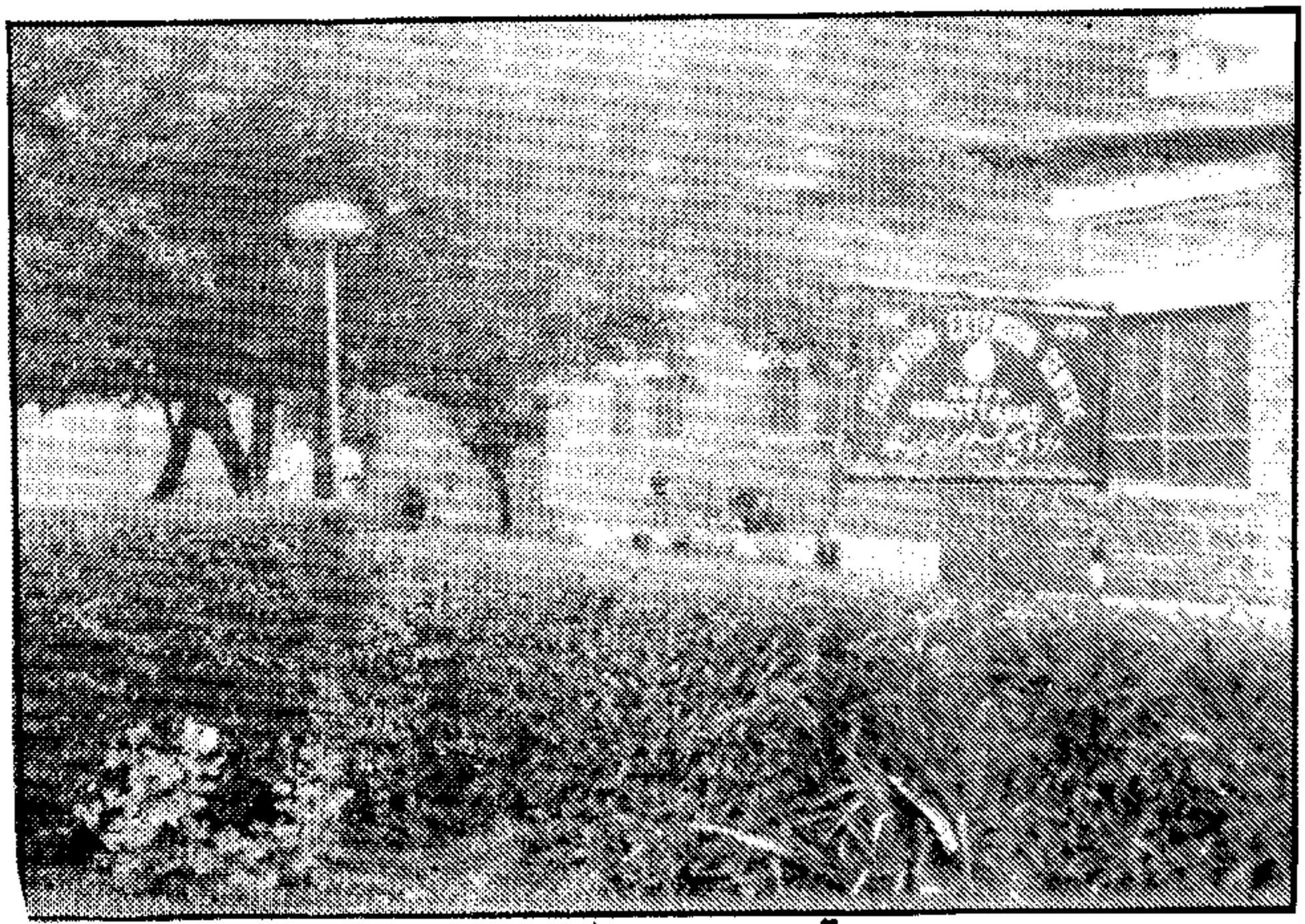

مرکز توسیع و تعلیم صوبہ سرحد کا ایک اور منظر

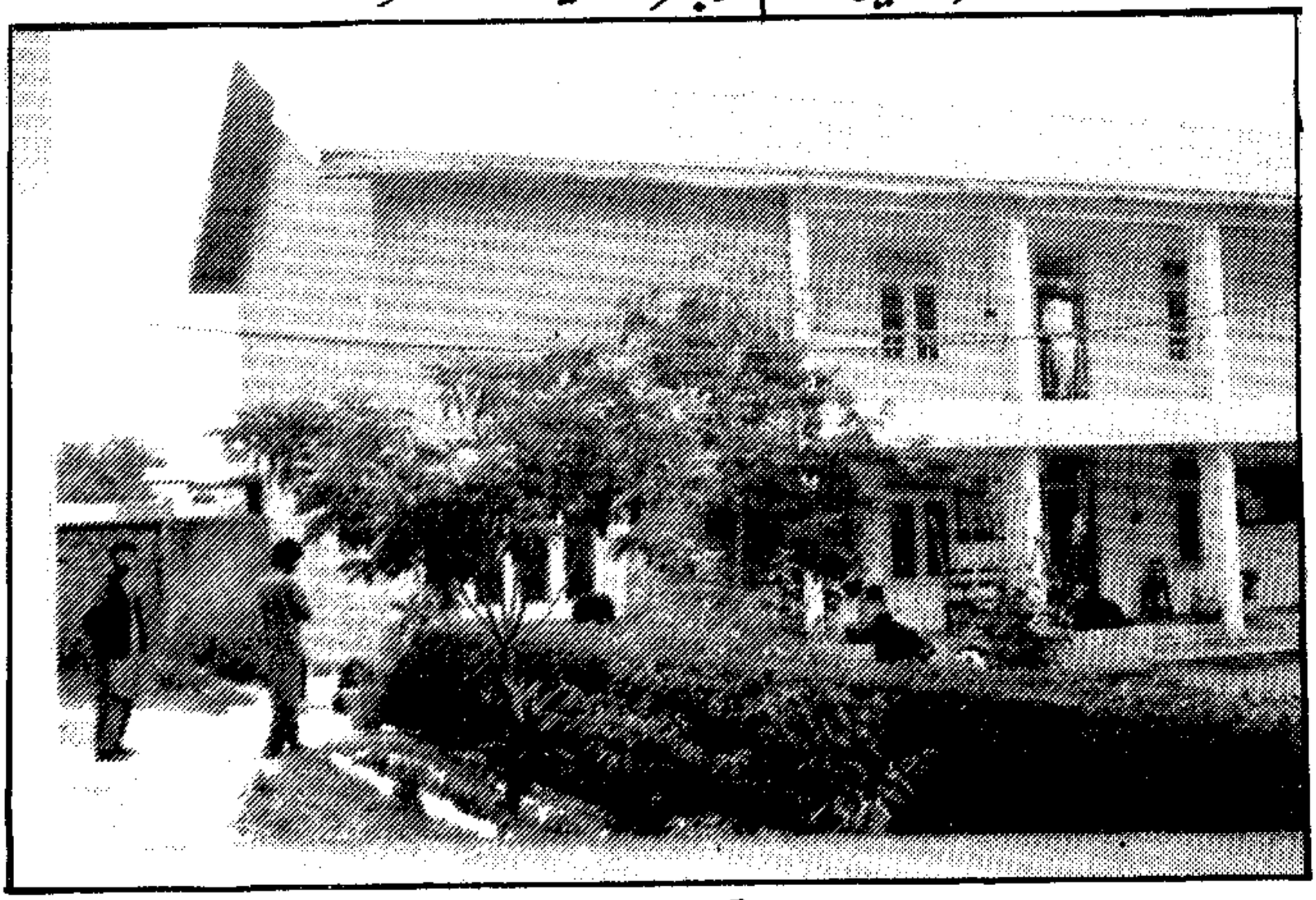

ادارہ ترقی نصاب و توسیع تعلیم صوبہ سرحد کی عمارت کا ایک منظر

ہمارا مستقبل — مسائل اور وسائل کے آئینے میں

تحریر۔ عبداللطیف میر

تین فیصد سالانہ شرح اضافہ آبادی کی وجہ سے ہماری آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی نے ہر شعبہ زندگی میں منصوبہ بندی کو متاثر کر دیا ہے۔ اگر پاکستان کی آبادی اپنی موجودہ رفتار سے بڑھتی رہی۔ تو تئیس سالوں میں دگنی ہو جائے گی۔

اگر سالانہ شرح اضافہ آبادی کے تناسب سے وسائل میں اضافہ ہوا۔ تو ہم صرف اپنی آبادی کے معیار زندگی کو موجودہ سطح پر ہی برقرار رکھ سکیں گے اور عام آدمی کی معاشی اور معاشرتی ترقی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑے گا۔

اگر موجودہ آبادی کے تناسب سے وسائل میں اضافہ نہ ہو سکا۔ تو پھر ہمارا معیار زندگی مزید گر جائے گا اور ہم بجائے ترقی کے تنزل کی طرف جائیں گے۔ اور اس سائنسی دور میں ہم بہت پیچھے رہ جائیں گے۔

اگر کسی ملک کی آبادی میں ایک فی صد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہو تو صرف ۷۰ (ستر) سالوں میں آبادی دوگنی ہو جاتی ہے۔ دو فیصد سالانہ کی شرح سے ۳۵ سالوں میں اور تین فی صد سالانہ کی شرح سے صرف ۲۳ سالوں میں آبادی دوگنی ہو جاتی ہے۔

اس کا اطلاق پاکستان کی آبادی پر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۹۸۱ء کی ہردم شماری کے مطابق ہماری آبادی ۸۴ ملین یعنی ۸ کروڑ ۴۰ لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ جو ۲۰۰۲ء میں ۱۶ کروڑ ۸۰ لاکھ ہو جائے گی۔ اور ہماری آبادی ۱۹۸۱ء کے مقابلے میں ۲۰۰۲ء میں دوگنی ہو جائے گی۔

ماہرین تعلیم آبادیات بخوبی جانتے ہیں۔ کہ آبادی ہمیشہ ہندسی طریق (Progression Geometrical) سے بڑھتی ہے۔ یعنی ایک سے دو۔ دو سے چار۔ چار سے آٹھ۔ آٹھ سے سولہ۔ سولہ سے بتیس۔ بتیس سے چونسٹھ۔ چونسٹھ سے ایک سو اٹھائیس علی ہذا القیاس اور وسائل ہمیشہ حسابی طریق (Arithmetical Progression) سے بڑھتے ہیں۔ یعنی ایک سے دو۔ دو سے تین۔ تین سے چار۔ چار سے پانچ اور علی ہذا القیاس۔ صاف ظاہر ہے کہ وسائل میں ہندسی طریق سے اضافہ

تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آبادی میں بے ہنگم اضافہ بے شمار مسائل کو جنم دیتا ہے۔ جن میں رہائش۔ خوراک۔ تعلیم۔ روزگار۔ نقل و حمل۔ ذرائع آمدو رفت۔ صحت و صفائی وغیرہ کے مسائل سرفہرست ہیں۔

ہمارا ملک ایک ترقی پذیر ملک ہے اور بے شمار مسائل سے دوچار ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا بھر میں نویں نمبر پر ہے۔ مگر سالانہ شرح اضافہ آبادی کے لحاظ سے ۹ ممالک میں سرفہرست ہے۔

آیئے ! ذرا غور کریں۔ کہ مندرجہ بالا مسائل پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ ان مسائل کو صرف دو ہی طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے۔

اول : اضافہ آبادی کو وسائل میں اس قدر اضافہ کیا جائے۔ کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی تمام ضروریات نہ صرف کماحقہ ' پوری ہو سکیں بلکہ مزید سہولیات بھی مہیا کر سکیں۔ مختصر یہ کہ وسائل بڑھائے جائیں۔

دوئم : سالانہ شرح اضافہ آبادی کو کم کر کے اپنے موجودہ وسائل سے ہم آہنگ کر دیا جائے۔ تا کہ موجودہ دستیاب وسائل ہی سے آبادی کی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ تاکہ بڑھتے ہوئے وسائل موجودہ آبادی کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال ہو سکیں اور موجودہ آبادی کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔ مختصر یہ کہ آبادی کو مزید بڑھنے سے روکا جائے۔

پہلی صورت میں یعنی وسائل میں اضافہ کے لئے عموماً" حسب ذیل مزید وسائل کی ضرورت پڑھتی ہے۔

۱۔ سرمایہ
۲۔ محنت
۳۔ وقت
۴۔ جگہ / زمین
۵۔ علم
۶۔ تربیت و تجربہ

مثلاً تعلیم کی سہولیات بڑھانے کے لئے روزگار کے وسائل زیادہ کرنے کے لئے رہائش کی قلت

پر قابو پانے کے لئے آمد و رفت اور نقل و حمل کے ذرائع میں اضافے کے لئے صحت کی سہولیات میں اضافہ کے لئے مزید وسائل کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے مزید سرمایہ درکار ہے۔ تربیت و تجربہ اور مادی وسائل درکار ہیں۔ سب سے بڑھ کر عمدہ منصوبہ بندی درکار ہے صرف خواہش کرنے سے۔ حکم دینے سے باتیں کرنے سے مسائل حل نہیں ہو جاتے۔ یہ تو ایک خلیج ہے جس کو پانے کے لئے کئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تب جا کر ایک سکول۔ ایک کالج۔ ایک ہسپتال ایک کارخانہ یا ایک عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ان تھک محنت۔ جہد مسلسل۔ جدت و اختراع تخلیق اور سچی لگن کی ضرورت پڑتی ہے۔

ہمارے ملک میں خواندگی کی شرح صرف ۳۰ فیصد ہے۔ ناخواندگی کی وجہ سے ہم اپنے موجودہ وسائل ہی کماحقہ' استفادہ نہیں کرپاتے۔ بلکہ وسائل کے فیصلے کا سبب بنتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے۔ جب تک ہماری قوم میں عزم و ہمت۔ سچی لگن۔ علم۔ محنت۔ جستجو اور تحقیق صفات پیدا نہیں ہوتیں۔ ہم ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔

اب دوسری صورت صرف یہ رہ جاتی ہے۔ کہ ہم اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو ایک خاص حد کے اندر رکھنے کی کوشش کریں۔ تاکہ قومی آمدنی اور فی کس آمدنی میں اضافہ کر کے اپنا معیار زندگی بلند کر سکیں۔

یہ طریقہ نسبتاً" سہل اور فوری نتائج کا حامل ترقی یافتہ ممالک اور بہت سے ترقی پذیر ممالک نے بھی اپنی شرح اضافہ آبادی پر قابو پا لیا ہے۔ اگر موجودہ آبادی یعنی تعداد (Quantity) پر ترجیح دینے سے مسائل میں دن بدن اضافہ ہوتا جائے گا۔ اضافہ آبادی کے معاملے میں ہمیں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اپنی ترجیحات کا از سر نو جائزہ لے کر مندرجہ بالا دو طریقوں میں سے ایک یا دونوں کو اپنانا چاہئے۔

اب یہ سوچنا ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اپنے لئے کون سا طریقہ کونسا لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ آبادی میں اضافے سے پیدا شدہ مسائل پر قابو پا کر ترقی اور تعمیر کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

of existing situation :-

1. Inservice training should be 1-6 weeks duation, davided into theory and practice of teaching.
2. Effective utilization of mass media may be ensured.
3. Training should also be arranged for master trainers.
4. A Research cell may be opened in the training centres.
5. There should be coordination between organisers of the courses & nominating agencies.
6. Participants showing outstanding performance may be rewarded in the shape of certificates, advance increments or promotions. Their performance should be published through mass media i.e TV, Radio, cassette records etc.
7. Follow -up & feed back programmes may be started.
8. Inservice mobile training programme must be encoureged.
9. Resource centres may be established in remote and for flung areas with proper physical and human facilities.

INSERVICE TEACHERS TRAINING

By :- Mr. Maqbool -ur- Rehman,
Principal, GEC (M) Karak.

It has been observed that the teacher once trained is supposed to be trained for ever, whereas rapid changes in theory and practice of teaching demand that a teacher must be refreshed periodically in order to abridge the gap between preservice and inservice Education. The Importance of inservice training for the professional growth of the teacher can not be denied.

Objectives :-

The objectives of such training briefly outlines are as under :-

1. To enable the trainees to achieve the goal of continuous professional growth.
2. To share the experiences of others and improve their personal skills.
3. To keep abreast with the new techniques and methods of teaching.
4. To enable him to translate the experiences gained in the training in actual classroom situation.

Contents :-

The contents of each course are determined very carefully keeping in view the nature, objectives and duration of the course.

Recommendations.

The following recommendations are suggested for the improvement

SUGGESTIONS:

a). Reading should be given an important place in the national Education policy

b). A net-work of libraries: static and mobile should be made available in Educational institutions.

c) The Education department should engourage each school to develop an informal Education system according to its sources.

In the end, it may be said that books help the children in the process of growing up. They are a source of information, comfort and pleasure for people who know how to use them. If parents share joy in books with their children. If the home invironment is such as can produce hungry readers by contagion, and if the teacher himself has enthusiasm for books then the task of making children book lovers becomes easy, an aspect of education which has almost be totally neglected so far.

VI. Arranging visits to a public library.

VII. Following-up field trips with reading.

VIII. Organizing, general knowledge competitions

IX. Asking students to give back ground talks to events in the morning assembly.

X. Including at least one project in the class work each academic year.

XI. Giving assignments for which books have to be consulted.

XII. Encouraging students to keep a list of books they have read and awarding prizes to good readers.

XIII. Making use of communication sources to stimulate children to read better literature. Books are not rival to mass media.

XIV. Finding out the centre of interest of each child and making available books related to his centre of interest. No motivation for any human activity can be as strong as that of a child's basic needs and ever widening interests.

XV. Providing opportunities to children to meet authors/writers.

XVI. Organizing societies and. book fairs for children.

ORGANIZATION:

The objective being to bring the child and books together, there could be several plans of organizing books.

I. The Book Table/Book corner.
II. The class Library.
III. School Library.
IV. The circulation Library.
V. The book mobile.

The strategy:

Some of the possible ways and means by which love for books can be developed in children are given below:-

I. Providing suitable classroom environment having plenty of attractive books easily accessibles to readers.

II. Reading aloud by the teacher to a small group of children sitting at the book table.

III. Speaking casually about books. Produce a habit of reading by recounting on interesting episode from a book or reciting a poem.

IV. Training students in the skills such as using a dictionary, silent reading, and locating reference material.

V. Taking the students to the school library and letting them choose and read books.

PROMOTION OF READING HABITS.

SAFDAR REHMAN, MA, MLIS
LIBRARIAN,

Children have various basic needs and interests. These needs are not met by the prescribed Text Books alone. These needs can be fulfilled to some extent by providing them libraries & inclucating reading habits among the children.

The existing system of education is not producing book lovers. it rather produces aversion from books. Most of the Architects designing modern houses for Pakistanis provide for T.V Lounges but not for bookshelves. In our houses, television and radio sets occupy prominent position in most of the cases and importance of reading is ignored. Let us have a very brief look at the importance, organization of libraries and some suggestions for the promotion of reading habits among our children.

IMPORTANCE OF READING:

Reading is a source of :-

I. Information.
II. Recreation and relaxation.
III. Comfort.

be abandoned.

94 If the essential characteristics are possible, which of the desirable characteristics should be included? Can enough of them be supported to make the course viable? If YES, the course construction can go ahead. If NO, the course must be abandoned.

8.15 Students are not encouraged to use their memories.

8.16 A teacher may pass too many students to improve his prestige and reputation.

8.17 Certain subjects like History and Language are not amenable to this approach.

8.18 Students from different institutions cannot be compared realitically.

8.19 There is no fixed standard for passing. This varies with the teacher and the institution.

8.20 Every teacher has to be scrupulously fair and honest.

8.21 A teacher feels that he ought to be paid more for running this system because of the extra work required.

8.22 A teacher needs a wide variety of new skills and the gaining of these puts too great a strain on the teacher.

8.23 Few places have libraries of sufficient extent to support the full implementation of the system.

The tremendous amount of extra work required from both teacher and student is the limiting factor in the full implementation of the system. Only the full commitment of a teacher coupled with the goodwill of the students will get the system operational.

9. HOW TO APPROACH A NEW COURSE

When faced with proposals for a new course the process is something like this :

9.1 What are the characteristics of the new course ?

9.2 Are each of these characteristics essential- or just desirable ?

9.3 If the essential characteristics are imposible to foster through lack of funds, or public attitude, or whatever, the course has to

It is the sort of education of which it has been said that the knowledge passes from the notebook of the teacher to the notebook of the student without passing through the mind of either ! !

8 THE DISADVENTAGES OF THE SEMESTER SYSTEM

The semester system is said to have the following disadvantages:

8.1 There is a heavy workload on both teachers and students over the whole year and, at times, this builds up to impossible levels.

8.2 The teachers need a great deal of knowledge and skill before they can successfully implement the system.

8.3 Much space and material has to be provided.

8.4 It is difficult for a student to get high marks in open ended situations.

8.5 There are too many tests.

8.6 A student who is absent from part of a course find it hard to catch up.

8.7 The limited resources available make the implementation impossible.

8.8 A change in teacher can seriously affect the work of a class.

8.9 A teacher cannot remain impartial and is likely to favour certain students.

8.10 A student may consider himself victimised if he gets low marks consistentely for what he considers is good work.

8.11 The re-orientation courses needed for teachers are expensive and time-consuming.

8.12 Lazy students copy assignments from their friends.

8.13 There is continious work throughout the year even during the breaks and free time is limited.

8.14 With no external assessment too much burden is placed on teacher's opinions and they are subjected to pressure form the students.

7.11 A student can get through a course with a little knowledge and a lot of luck.

7.12 The teacher covers the course irrespective of the students aptitudes, interests or well-being.

7.13 The main learning teachnique is craming.

7.14 A dishonest student has oppertunities for passing by unfair means.

7.15 A student can fail a whole year because of a minor problem arising during the final examinations.

7.16 No credit is given for creativity. In fact a creative answer stands a good chance of being harshly penalised compared to the streotype answer which is expected.

7.17 No practical activities are carried out unless there is absolutely no option.

7.18 The students are discouraged from having an enquiring nature. They are receptors of knowledge.

7.19 The purpose of a course is to get as many students as possible through the examinations, not to give them an education.

7.20 Competition is stressed instead of cooperation.

7.21 The students do not think of the teacher as a person but as a giver of information.

7.22 There is a long delay after the completion of a course before a student knows his results.

7.23 A lot of expenditure goes into a little learning.

7.24 Inconsistency in marking can affect a student's whole life without him being able to check its accuracy.

7.25 A student does not know untill after the course is completed whether he is coping or not.

7.26 A teacher becomes lazy and repeats the same course exactly year after year.

One advantage of introducing a semester system is that new materials and equipment are needed as well as new ideas. The users of these can then be HELD ACCOUNTABLE FOR THE SUCCESS OF THE SYSTEM.

The capital costs of modern curricula often be found from sympathetic agencies who are in agreeement with the need if they can see good use being made of previous input.

7 THE DISADVANTAGES OF THE ANNUAL SYSTEM

The annual system is said to have the following disadvantages :

7.1 Only a limited number of textbooks is used.

7.2 The students loaf through most of the course and then overwork in the last few weeks with consequent anxiety and tension.

7.3 The external examination does not assess accurately what has been vovered in a course. Even at best, a final composite test can only be a sample of the course work. It cannot cover all aspects of the course.

7.4 Stress is laid on those items most likely to appear in the final examinations and so single unrelated topics are taught rather than principles.

7.5 Too much of the year is wasted on holidays.

7.6 It is hard to maintain discipline as students do not need to attend classess on a regular basis.

7.7 Teachers tend to be alienated from their students because of their contrasting roles.

7.8 Intelligence and memory are of more importance to a student than hard work and perseverance.

7.9 Guides and primers are used instead of the proper subject development found in a textbook.

7.10 Few Assignments are given and the material is given to the students by lectures and dictation.

6.14 No-one can pass a course by luck.

6.15 Creative work is possible.

6.16 The practical work develops in the students a good attitude to using their hands.

6.17 The students become research oriented.

6.18 The knowledge gained is personalised and so stands a good chance of being used.

6.19 Good social habits are formed by working in cooperation instead of competition.

6.20 The students quickly get to know if they are coping with the work of the class and if not have a chance to remedy it at an early stage.

6.21 Students who complete a course are more or less assured of passing.

The teachers get the following advantages:

6.22 The teacher is not under pressure to cover the course as his time is used in helping the learners.

6.23 The teacher has a lot of modern aids.

6.24 The teacher has the major say in the grading of his students.

6.25 The teacher can use a wide variety of teaching skills other than lecturing.

6.26 The teacher gets plentiful and continuous feedback to enable him to improve the course.

6.27 The teacher learns from the students about his subject and about their ideas and philosophies.

6.28 There is a reduction in the chance of alienation between the teacher and the students.

6.29 The teacher gets the credit or blame for his students, performances.

Note: A semester system by its nature cannot be run on the cheap. To try to do so destroys it.

public and officialdom.

5.23 The teachers have status.

5.24 A teacher has the opportunity to be a private tutor as his material is retained by him as lecture notes and not handed out as handouts.

Note : An Annual System can be run on the cheap if it is restricted to lectures supplemented by a single textbook and little or no provision is made for a good library, alternative texts, mimeographed material, suitable buildings, study rooms, practical work and field trips.

6. THE MERITS OF A SEMESTER SYSTEM

The structure of a semester system is said to have the following merits:

6.1 The material is presented in small manageable units.

6.2 Students, attendance is essential otherwise they will miss important work and assessments.

6.3 Both teachers and students have to work hard throughout the year.

6.4 Teachers and staudents have to cooperate.

6.5 Mutual confidence is built up between teacher and student.

6.6 Fair dealing is required from both teacher and student.

6.7 A teacher gets to know the students well.

6.8 Perseverance and hard work are as important as intelligence and memory.

6.9 A teacher can give a highly accurate assessment of every student because of the close relationship and continuous assessment.

6.10 Students develop good learning habits.

6.11 Students, attitudes are improved.

6.12 There is an informal friendly working atmosphere.

6.13 Cramming is of little use.

5.4 Teachers and students can enjoy long vacations without the burden of preparation or assignments.

5.5 An efficient student with intelligence and a good memory is rewarded with success.

5.6 There is no need to attend the course regularly so a student can attend to other matters at the same time as studying.

5.7 A teacher has only one major examination to prepare for and the student has only one important examination to sit.

5.8 Good writing skills carry great weight with the examiner.

5.9 High marks.can be obtained in the examination.

5.10 A course can be easily changed.

5.11 If a teacher is replaced, there is little effect on the course.
The teacher gets the following advantages:

5.12 The teacher has freedom to teach as he wishes.

5.13 The teacher is not held accountable for performance of the students.

5.14 The teacher cannot be accused of partiality towards particular students as he is not the final judge.

5.15 The work of a teacher is light.

5.16 the teacher can use the same material with successive classes of students.

5.17 A teacher has sufficient spare time to devote to other matters.

5.18 Discipline can be enforced in a strict formal way.

5.19 The teacher can be a dignified aloof person interested only in his subject and unaffected by the personal problems of the students.

5.20 the teacher can ensure that the course is covered and that standards are preserved.

5.21 the institution has the academic appearance that the general public expects with attentive students sitting in ranks listening to the wisdom of an eminent lecturer.

5.22 The instituion has the well disciplined look appreciated by the

3. **THE CHARACTERISTICS OF THE SEMESTER SYSTEM.**

3.1. A course is divided into many parts or units.

3.2 Assessment is made of each unit as it is finished.

3.3 There is no external examination.

3.4 There is no composite final internal examination.

3.5 The material is presented in a variety of forms in addition to lectures and textbooks. Wide use is made of personal assignments.

3.6 A great deal of practical activity is generated in every course.

3.7 There is flexibility in the order in which the students can tackle a unit and in the length of time they can spend on a unit.

SUBJECT-CENTRED AND LEARNER-CENTRED INSTRUCTION.

Much of the argument has at its heart the desirability or otherwise of one of the above positions. Should the instruction be subject-centred or learner-centred ?

To avoid undue repetition, you are referred to the paper on The Comparision of Subject-Centred and Learner-Centred Classrooms which forms part of this series.

THE MERITS OF AN ANNUAL SYSTEM

The structure of an annual system is said to have the following merits:

5.1 Only a few textbooks are needed to cover a course so the cost is small.

5.2 Examinations are based directly on the work in the textbooks so the teachers 'and students' work can be sharply focussed.

5.3 A teacher can spread the work out evenly over the duration of the course without a low workload at one time and over-pressure at another.

5.4 Teachers and students can enjoy long vacations without the burden of preparation or assignments.

5.5 An efficient student with intelligence and a good memory is rewarded with success.

5.6 There is no need to attend the course regularly so a student can attend to other matters at the same time as studying.

5.7 A teacher has only one major examination to prepare for and the student has only one important examination to sit.

5.8 Good writing skills carry great weight with the examiner.

5.9 High marks.can be obtained in the examination.

5.10 A course can be easily changed.

5.11 If a teacher is replaced, there is little effect on the course.
The teacher gets the following advantages:

5.12 The teacher has freedom to teach as he wishes.

5.13 The teacher is not held accountable for performance of the students.

5.14 The teacher cannot be accused of partiality towards particular students as he is not the final judge.

5.15 The work of a teacher is light.

5.16 the teacher can use the same material with successive classes of students.

5.17 A teacher has sufficient spare time to devote to other matters.

5.18 Discipline can be enforced in a strict formal way.

5.19 The teacher can be a dignified aloof person interested only in his subject and unaffected by the personal problems of the students.

5.20 the teacher can ensure that the course is covered and that standards are preserved.

5.21 the institution has the academic appearance that the general public expects with attentive students sitting in ranks listening to the wisdom of an eminent lecturer.

5.22 The instituion has the well disciplined look appreciated by the

3. **THE CHARACTERISTICS OF THE SEMESTER SYSTEM.**

3.1. A course is divided into many parts or units.

3.2 Assessment is made of each unit as it is finished.

3.3 There is no external examination.

3.4 There is no composite final internal examination.

3.5 The material is presented in a variety of forms in addition to lectures and textbooks. Wide use is made of personal assignments.

3.6 A great deal of practical activity is generated in every course.

3.7 There is flexibility in the order in which the students can tackle a unit and in the length of time they can spend on a unit.

SUBJECT-CENTRED AND LEARNER-CENTRED INSTRUCTION.

Much of the argument has at its heart the desirability or otherwise of one of the above positions. Should the instruction be subject-centred or learner-centred ?

To avoid undue repetition, you are referred to the paper on The Comparision of Subject-Centred and Learner-Centred Classrooms which forms part of this series.

THE MERITS OF AN ANNUAL SYSTEM

The structure of an annual system is said to have the following merits:

5.1 Only a few textbooks are needed to cover a course so the cost is small.

5.2 Examinations are based directly on the work in the textbooks so the teachers 'and students' work can be sharply focussed.

5.3 A teacher can spread the work out evenly over the duration of the course without a low workload at one time and over-pressure at another.

A COMPARISON OF THE TYPES OF COURSES REFERRED TO IN N.W.F.P AS THE SEMESTER SYSTEM AND THE ANNUAL SYSTEM.

Macdonald

1. INTRODUCTION

There has been considerable controversy in Pakistan over the introduction of the type of education course called a semester system. This has been compared both favourably and unfavourably with the contrasting type of course called an annual system. This paper attempts to clarify the characteristics of each system and to list the arguments and the against each system.

2. THE CHARACTERISTICS OF THE ANNUAL SYSTEM.

2.1 A course runs for a complete academic year. In a few cases it runs for two years.

2.2 A composite examination is held at the end of the course.

2.3. this final examination carries great weight.

2.4. Both internal and external examinations are given.

2.5 Internal examinations carry little weight.

2.6 The material is presented in the form of lectures and a few set textbooks.

2.7 Only in practical subjects is work given of a practical nature.

2.8 A rigid body of knowledge has to be mastered by a student in a fixed time.

AND THE NATIONAL BUREAU, TEACHERS GUIDES, HANDS BOOKS FOR PRESERVICE AND BULLETINS.

H. THE CONTROL AND SUPERVISION OF ALL PRE-SERVICE TEACHERS TRAINING INSTITUIONS (EXCEPTIER) IN NWFP.

I. ESTABLISHMENT OF LOCAL TEACHING RESOURCES CENTRES (PROPOSED).

J. CONDUCT PILOT CURRICULUM DEVELOPMENT EXPERIMENTS AND PROJECTS. CO-OPERATION WITH NATIONAL BUREAU IN MOUNTING LARGER CURRICULUM PROJECTS AND TRAILS.

K. COLLABORATION WITH THE NATIONAL AND THE OTHER PROVINCIAL BUREAU IN THE DEVELOPMENT OF CURRICULUM EVALUATION TESTS AND PROGRAMME OF CONTINUOUS CURRICULUM DEVELOPMENT.

L. ESTABLISH AND MAINTAIN CLOSE LIASON WITH LOCAL SECONDARY EDUCATION BOARDS, TEXT-BOOK BOARDS, TEACHER (IER) AND RESEARCH ORGANIZATIONS AND INSTITUTIONS.

M. TRAINING, IMPLEMENTATION SUPERVISION AND EVALUATION OF ADULT AND POPULATION EDUCATION PROGRAMME, IN N.W.F.P.

N. PLANNING, ORGANISING AND EVALUATING SHORT TERM COURSES AND AWARD OF SPECIAL CERTIFICATES TO PTC, CT, SV, PET, AND DM, TEACHERS.

O. SUCH OTHER CURRICULUM RESEARCH AND DEVELOPMENT ACTIVITIES AND DUTIES AS MAY, FROM TIME TO TIME, BE ASSIGNED TO THE BUREAU BY THE EDUCATION SECRETARY.

FUNCTIONS OF THE BUREAU OF CURRICULUM DEVELOPMENT AND EDUCATION EXTENSION SERVICES, N.W.F.P., ABBOTTABAD.

A. ASSIST AND ADVISE THE DIRECTOR OF EDUCATION (SCHOOLS) AND EDUCATION SECRETARY ON CURRICULUM DEVELOPMENT, SYLLABUS REVISION AND RELATED MATTERS.

B. ORGANIZE AND UNDERTAKE CURRICULUM REVISION FOR ALL STAGES UPTO HIGHER SECONDARY LEVEL.

C. APPOINT, ORGANIZE, SUPERVISE AND PROVIDE RESEARCH AND SECRETARIAL ASSISTAN TO CURRICULA REVISION, COMMITTEES (THIS GENERALLY MEANS THAT ONE OF THE OFFICERS OF THE CURRICULUM BUREAU, OR UNIT, WILL ACT AS EXECUTIVE OFFICER OF EACH REVISION COMMITTEE.

D. MANTAIN A CLOSE LIAISON WITH THE NATIONAL BUREAU OF DEVELOPMENT AND TEXT BOOKS, THE CURRICULUM DEVELOPMENT CENTRES IN THE OTHER PROVINCES, PARTICULARLY WITH RESPECT TO THE CO-ORDINATION OF CURRICULUM TO MEET NATIONAL GOALS AND AIMS.

E. ORGANISE AND UNDERTAKE CURRICULUM TESTING PROGRAMMES.

F. COLLABORATE WITH PROVINCIAL TEXT-BOOK BOARD IN THE PREPARATION AND PUBLICATION OF TEXT BOOKS AND OTHER CURRICULUM PUBLICATIONS.

G. ARRANGE INSERVICE TRAINING COURSES MEETINGS AND WORKSHOPS FOR TEACHERS. PREPARE AND PUBLISH, IN COLLABORATION WITH TEXTBOOK BOARD

Institutions and Extension Centre has provided a sort of integrated model.

At present, the Bureau of Curriculum Development and Education Extension is working as a full fledged Directorate under the control of a Director in BPS-20 and has been declared as an attached Department of Government of NWFP Education Department.

Construction of permanent building for the Extension wing is the evying need of the hour. Presently it is functioning temporarily in Common room, Dinning Hall, of the Hostel the building and some residential quarters at Mandian on Mansehra Road, Abbottabad at a distance of about 7 kilimeters from Abbottabad city.

The old building of the Bureau of curriculum Development and Education Extension Centre Abbottabad has been taken by No.2 Government Degree College Mandian Abbottabad and the Bureau of Curriculum Development and Education Extension Services has to be shifted into a female Hostel building vacated by the Ayub Medical College Abbottabad adjacent to Government No.2 Govt. College Abbottabad during 1991.

It is at a distance of about 7 kilometers from the city. For the first time since its inception, the Bureau is housed in Government building.

It is a fact that teachers attending inservice courses are provided with a large amount of essential information on constrainsts, bottlenecks and difficulties in actual classroom teaching. This feedback is necessary for re-adjustment and improvement of pre-service teacher training approaches and it is also needed by the Bureau as essential feedback on curriculum, textbooks, methods and implementation strategies. The teacher trainers at the in-service courses need to have a direct channel of communication with the Bureau to feed this vital informations.

This was major consideration that led to the proposal for transferring the administrative and financial control of the teacher training institutions from the Divisional Directors of Education (School) to the Bureau of Curriculum and Education Extension Services NWFP Abbottabad. The proposal was accepted by the Government of NWFP, and one post of Director in B.P.S No. 19 and three posts of more Subject Specialists were sanctioned and all these institutions were placed under the control of Buireau in 1983-84. The Director of Education policy 1978 for the upgradation of the training institutions has been already implemented. These institutions have been upgraded to the level of Colleges of Education for Elementary Teachers. Each college is headed by grade-18 Principal and the teaching staff consists of grade-17 Instructors. Under the above administrative organization, all preservice training of primary and middle school teachers, agro-technical teachers has come under the control of the Bureau. This has resulted in the integration of Pre-Service and In-Service teachers training, speedy implementation of the reform in teachers training and continued professional growth of the teachers training because of these association with the Bureau of Curriculum Development and evaluation activities. Above all, the collaboration and co-ordination of the Curriculum Bureau, Teachers Training

According to the Education Policy of the Govt: of Pakistan in March, 1970 it was decided to set up Curriculum Committies at appropriate levels to design curricula suited to the needs of each stage of education. It is an integrated and continuous process. It was decided that each province, therefore, should have a permanent Bureau of Curriculum Devlopment for continuous evaluation and modification of the curriculum and co-ordinating Development e.g.: Teachers Training Institutions, Text Book Boards & Secondary Education Boards.

The post of Deputy Director (Extension) and specialized services were created by the Govt: of Pakistan vide West Pakistan Education Department Lahore letter No. Edu:A/CD-180-3/4-70 dated 2.5.1970.

It was mentioned that the post alongwith extension, will function under the Regional Director of Education concerned as a part of his office.

It functioned at Peshawar up till 1974 and then it was shifted to the Building of Education Extension Centre, Abbottabad with a view to have a very close coordination of Curriculum Development, & Extension Services with Extension Centre, Abbottabad. Even this building of Education Extension Centre in which the Bureau was functioning temporarily, was taken over for Ayub Medical College abbottabad in 1979 and it has to be shifted to a rented building in Abbottabad city. Prior to 1983, there was only one post of Deputy Director in N.P.S No 18 with three Assistant Directors and three subject Specialists having no administative and financial control on Teachers Training Institutions in the Province. it was linked with them only academically.

It was proposed to transfer the full control of these institutions to the Bureau.

BACK-GROUND AND FUNCTIONS OF BUREAU OF CURRICULUM DEVELOPMENT AND EDUCATION EXTENSION SERVICES, NWFP, ABBOTTABAD.

By: Mohammad Muslim
Subject Specialist.

The West Pakistan bureau of Education was the first of its kind to be established in this country, in response to a need for a specialized agency which could provide a regular flow of information on educational needs and developments in the Province.

Originally, the idea to set up such an agency was conceived by the Govt: of pakistan. Accordingly, a team of UNESCO advisors on Bureau were invited to pakistan in November, 1956. The dream of the Bureau was ultimately envolved into a concrete ideal. As a result, the Bureau was set up in October, 1958 as an integral part of Education Department.

The first, Education Extension Centre in the country was established in Lahore in 1958. In 1964, three more Extension Centres were established at Karachi, Khairpur and Abbottabad. In 1970, after the disintegration of one unit, the activities of Education Extension Centre Abbottabad were limited to N.W.F.P only.

much impressed in his individuality by the social conditions. In other words teacher is the product of his environment which shapes his very life. If the customs, habits, traditions etc. of a society are reformative then we can hope for reformed and better teacher, otherwise the reverse. Unfortuantely our social temperament has owned negative kinds of customs, habits and traditions. These things have become a part of the childrens life to whom we impart Education. Education is seen clashing with the social modes of a child. And the more we try to erase the Prints of the society on the minds of innocent children, the more difficult it becomes for us. The students receiving higher Education and not possessing certain positive values will not benifit society at large. I shall not go in to further detail of the matter but would at least say that side by side with Education we should try to better our social conditions. Without this the matter seems to a great extent impossible of realization. But let us not despair. All of us should try for the reformation of the society however hard this work may be.

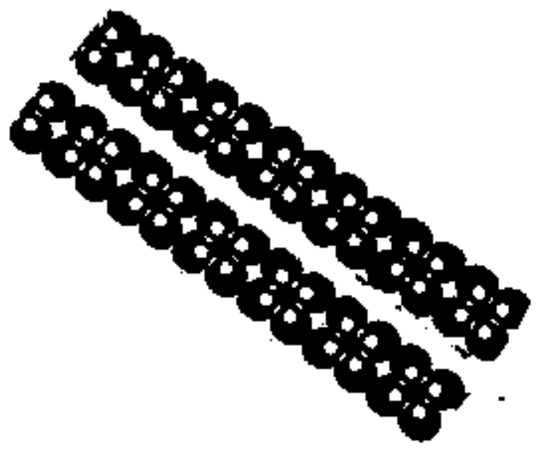

The greatest problem before us today, therefore, is improve the standard of teachers and remove the feelings of frustation which is written large on their faces. This profession should not be the cindrella of profession but it should be given its due importance and assigned its proper place. This can be done to some extent by offering them respectable salaries and raising their status in society. But these things will not be enough what is equally essential if not more so is the desirability of finding ways and means of recruiting only those who are suitable for the profession and have proper professional aptitude. This can be done only by making the selection fairly early in life and then giving them the necessary training to equip them properly for the profession. This should be done keeping in mind the dictum that training can benifit only those who though mature in mind, are also sufficiently raw. It is imperative, that the working of teachers training institutions be completely re-oriented. Prior to the achievement of independence, the function of the teacher in this country was very simple, it was merely preparing pupils for examinations with a view to enabling them to secure jobs and earn their livelihood. The teacher, therefore, through sheer force of circumstances started looking upon his profession not as vocation imbibed with a spirit of dedication but as a career where trade unionism held its way. In this way, he succumbed to economic forces and turned into a materialistic, looking at every thing from the point of view of return in material value and caring little for the high ideas of his predecessors. This practice even today continues to a very large extent in our country.

THE LAST WORD

How much we may try to improve our Educational Personnel we cannot achieve the desired results and effects until and unless we carry on reformation in our society. A man's life is conditioned by the society he lives in. A man, no doubt has his own philosophy of life but he is very

Some people feel that it can be done by increasing the salaries of the teachers by a few rupees other think that an official reception and giving them front seats is just sufficient. There are others who feel that more reference to the nobility of the profession and appealing to the teachers sense of service and sacrifice will be enough. It should, however be carefully borne in mind that none of these things by itself will suffice to achive the desired ends. Moreover, what ever is done by way of improving conditions in this respect should not come in the form of or take the shape of charity. What is essential that the public should be Educated to realise the great national importance of the teachers as the architects of society.

But it should be realised at once that the respect of a teacher cannot be a one sided affair. In order to regain the lost respect and retrieve the former status, the teacher has to become a builder of the nation in the true sense of the word. He is not to be a person who merely takes up a teaching job. A real teacher is he who by his mental attitude and faith becomes a teacher, he takes up teaching not to earn his living but to serve humanity by teaching them to live better and more useful lives. He looks upon his work not as a job but as a sort of dedication. He, in fact, should live up to the ideal of the past teachers whose praise is sung by every one.

How much splendid the Educational policies, commissions, plans and system of pedagogy may be, it is the teacher who directs and guides the youngs, he keeps the watch along the borders of darkness and attacks on the trenches of darkness of ignorance and folly. By patience in his daily duty, he strives to conquer the evil powers which are the enemies of the youth. He awakens sleeping spirits. He communicates his own joy in learning and shares with boys and girls the best resources of his mind. He lights many candles which in later years, will shine back to cheer him. Knowledge can be gained from books, but the love of knowledge is transmitted only by personnal contact.

changed, changed beyond recognition. The respect which the teacher once commanded and the status he enjoyed are conspicuous by their absence. The teaching profession, in fact, is looked down upon by a majority of the people and they join it only as a last resort.

The scales of pay in the profession are generally statisfactory. The conditions of services are good but the provision of facilities fragmentary and the standard of expectations, in most of the cases, too high. As a result this profession is to a large extent full of dissatisfied, frustated people who see no meaning in work and find no joy in life. That is not all, the society also on its part, treats the teacher rather indifferently and it aggravates the situation further. As a result of this, the teachers are not willing to remain on their place of duty and discharge obligations in the best possible manner. Instead of it, many of them are anxious to their incomes so as to make both ends meet.

It is evident that if any improvement or reform is desired in Education, the first requisite is to improve the quality of the teachers because the most important factor in the contemplated Educational reconstruction is the teacher, his personel qualities, his Educational qualifications, his professional training, and the place that he occupies in the school as well as in the community. The social status, the salaries and the general service conditions of teachers require reconsideration. It is supprising that inspite of recommendation of various Educational policies in the past, some of the disabilities from which teachers suffer still persist and adequate steps have not been taken to remove them.

If the teachers present mood of discontent and frustration is to be removed and the Education is to become a genuine nation-building activity, it is absolutely necessary to improve their status and their conditions of service and it is high time, therefore, that we start paying greater attention to the importance of the teaching personnel in our Educational insitutions.

THE IMPORTANCE OF SELECTION OF TEACHERS FOR TEACHING PROFESSION

Abdul Latif Mir

It is certainly strange, if not unfortunate, that so much has been written and said about the types of buildings and classroom furniture, about the methods and techniques of teaching, about the curriculum and syllabus of instruction, about the use of text books and other devices of teaching that most of us seem to ignore a very important fact that ultimately it is the teacher, on whome the real success or failure of any method technique or procedure depends. This personal element in fact not only sows the seeds but it also determines the success or otherwise of the machinery, material and management in the domain of Education. In consequence of this wrong emphasis, the importance of the teacher tends to be utterly ignored and in the domain of Education this is being alloted only a small corner and due weightage is not given to this central pillar and foundation of Educational edifice.

The result of this is a general degradation of the entire Educational pattern. The sad results are already being reflected in the lower academic standards in our Educational insitutions alongwith alround deterioration in character and discipline. Some people have even gone to the extent of saying that a ventable Educational chaos seems to be in the offing.

When we ponder over this problem, we wonder as to what is the real cause of this sad state of affairs. The position today has however,

CONTENTS

1	The Importance of Selection of Teachers for Teaching Profession	Abdul Latif Mir	3
2	Backgraound and Functions of Bureau of CurriculumDevelopment and Education Extension Services, NWFP, Abbottabad.	Mohammad Muslim	8
3	A comparison of the Types of Courses Referred to in N.W.F.P as the Semester System and the Annual System	Macdonald	14
4	Promotion of Reading Habits	Safdar Rehman	24
5	Inservice Teachers Training	Mr.Maqbool-ur-Rehman	28

Educational TALOCEE Journal

Edited By
Mohammad Muslim
Subject Specialist

Chief Editor,
Abdul Latif Mir
Chief Instructor

Education Extension Centre
Abbottabad

BUREAU OF CURRICULUM DEVELOPMENT
AND EDUCATION EXTENSION SERVICES
N.W.F.P. ABBOTTABAD